اسلامی عقائد

قرآن وسنت کی روشنی میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

اسلامی عقائد
قرآن وسنت کی روشنی میں
بلال عبدالحی حسنی ندوی
سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

طبع اول

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ مطابق مارچ ۲۰۱۵ء

نام کتاب	:	اسلامی عقائد-قرآن وسنت کی روشنی میں
مصنف	:	بلال عبدالحی حسنی ندوی
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۱۵۲
قیمت	:	Rs. 70/-

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب، ندوہ روڈ لکھنؤ ☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

فہرست مضامین

آخرت پر ایمان

تقدیر پر ایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مذہب کوئی بھی ہو اس کی بنیاد اس کے عقیدے پر ہوتی ہے، درخت کی طرح کہ اس کی شاخیں اور پھل اور خصوصیات سب اس کی جڑ سے ہی ان میں آتی ہیں، اسلام میں عقیدہ بنیادی طور پر پانچ حقیقتوں کو ماننے پر مشتمل ہے، خدائے تعالیٰ کو ایک اور قادر مطلق ماننا، اس کے فرشتوں کو ماننا، اس کی وحی کے ذریعہ اتاری ہوئی کتابوں کو ماننا، اس کے مقرر کردہ رسولوں اور نبیوں کو ماننا، اس کی طے کردہ تقدیر کو فائدے کی ہو یا نقصان کی ماننا، اور یہ ماننا کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد آخرت کی زندگی ہوگی، جس میں اس دنیاوی زندگی میں کئے گئے اعمال کا حساب ہوگا، اور سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا، "آمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والقدر خیرہ و شرہ والبعث بعد الموت"، ان بنیادی اصولوں میں اصل اور بڑی بنیاد تین

ہیں، اللہ تعالیٰ کی کامل وحدانیت اور قادر مطلق ہونے کو ماننا، انسانوں کو راہ راست بتانے کے لیے اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو ماننا، اور تیسرے آخرت کی زندگی کو اور اس میں ہونے والے جزاء وسزا کو ماننا، اسلام میں عقیدے کی مذکورہ بنیادوں کو ماننے پر ان کے تحت ہدایت کردہ احکام پر عمل کرنا ہے، یہ احکام انہی بنیادوں کے مطابق ہونے پر قابل قبول ہوں گے، آخرت کی جزاوسزا انہی کے مطابق ہوگی۔

لہذا ہر مسلمان کو ان مذکورہ اصولوں کو جاننا اور اپنے اعمال و اخلاق کے لیے ان کو بنیاد بنانا، مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے، اسلام کے عقیدہ یہی بنیادی عناصر ہیں، مسلمان کا عمل انہی کے تحت رکھا گیا ہے، جس سے واقفیت ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، تاکہ اس کا عمل قیامت میں اسلامی عمل کے طور پر قبول کیا جاسکے، شریعت اسلامی کے ان بنیادی احکام کو جاننے کے لیے مختلف زبانوں میں متعدد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، تاکہ مسلمان ان سے ناواقفیت کے بناء پر آخرت میں نقصان سے محفوظ رہے، یہ کتابیں بڑی بھی ہیں اور چھوٹی بھی، چھوٹی کتابوں میں ابھی حال میں معروف عالم دین اور متعدد وقیع کتابوں کے مصنف مولوی سید بلال عبدالحی حسنی نے یہ کتاب تیار کردی ہے، جو مختصر ہونے کے ساتھ اس موضوع پر شافی وکافی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس پر جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کو افادیت عامہ کا ذریعہ بنائے۔

محمد رابع حسنی ندوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

وفات سے تقریباً ایک سال پہلے کی بات ہے راقم کے مربی، برادر اکبر مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن فرمایا کہ ''تقویۃ الایمان'' ہی کے طرز پر ضرورت ہے کہ نئے اسلوب میں ایک کتاب تیار کی جائے، تم اگر یہ کام کرڈالو بہتر ہے، غالباً اسی روز یا دو ایک روز کے بعد راقم نے یہ کام شروع کیا، اور عقیدۂ توحید پر بڑا حصہ اسی وقت تیار ہوگیا، اس کے بعد برادر صاحب مخدوم و معظم کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا، اور ان کی وفات ہوگئی، یہ کام دوسری مصروفیات کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا، جتنا ہوگیا تھا وہ مرکز الامام ابی الحسن، دار عرفات کے ترجمان ''پیام عرفات'' میں شائع ہونا شروع ہوا، متعدد حضرات نے اس کی ضرورت کا احساس دلایا، تو اس کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا، اور عقیدۂ رسالت، عقیدۂ آخرت اور دوسرے اہم عقائد پر مضامین تیار کئے گئے، اس طرح یہ مختصر کتاب قارئین کے سامنے ہے۔

عقیدۂ توحید کے باب میں بنیادی طور پر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' پیش نظر رہی، اور عقیدۂ آخرت کے باب میں خاص طور پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ''سیرۃ النبی، جلد چہارم و پنجم'' سے

استفادہ کیا گیا ہے، عقیدۂ رسالت کی تفصیلات مرتب نہیں مل سکیں، ان کو اپنے طور پر ترتیب دینے کی کوشش کی گئی۔

کتاب کا موضوع علم کلام ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ سادہ زبان میں عقائد کو پیش کرنے کی ایک کوشش ہے، جس کی ضرورت حالات کو دیکھ کر عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی، دلائل قرآن مجید، اور احادیث صحیح سے دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

عم مخدوم و معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا مقدمہ کتاب کے لیے سند کا درجہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے سایہ عاطفت کو صحت و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے، بڑی حد تک کمپوزنگ اور پوری طرح مراجعت کا کام عزیز القدر مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ نے انجام دیا ہے، راقم ان کا مشکور اور ان کے لیے دعا گو ہے، طباعت حسب معمول عزیز القدر مولوی محمد نفیس خاں سلمہ کی نگرانی میں ہوئی، راقم ان کا بھی شکر گزار ہے، اور جو حضرات بھی کسی بھی حیثیت سے اس کی طباعت واشاعت میں شریک رہے ہیں، راقم ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرما کر اس گنہگار کے لیے، اس کے والدین کے لیے اور برادر اکبرؒ کے لیے خاص طور پر صدقہ جاریہ فرمائے۔ آمین

۹/۵/۱۴۳۶ھ	بلال عبدالحی حسنی ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان کیا ہے؟

ایمان کہتے ہیں یقین کرنے اور ماننے کو، ایمان کن چیزوں پر لانا ہے اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے، سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ (البقرة: ۲۸۵)

(جو کچھ رسول پر ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا رسول بھی اس پر ایمان لائے اور مسلمان بھی، سب کے سب اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں (ایمان کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے اور انھوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب ہم تیری مغفرت کے طلبگار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے)

اسی سورہ میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾ (البقرة:۱۷۷)

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ اصل نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر)

سورہ نساء میں بھی ان ہی عقائد کی تعلیم ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِيَ أَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلاً بَعِيدًا﴾ (النسأ:۱۳۶)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری یقین پیدا کرو اور جس نے اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کو نہ مانا وہ دور جا بھٹکا) سورہ نساء کی اس آیت میں یہ وضاحت بھی ہوگئی کہ اگر کوئی ان چیزوں میں سے کسی قسم کا بھی انکار کرتا ہے تو وہ کھلا ہوا گمراہ ہے)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے

ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أن تـؤمـن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشره"

(اللہ پر ایمان لاؤ اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن اور تقدیر پر ایمان لاؤ)

یہی ترتیب وتفصیل ایمان مفصل میں بھی بیان کی گئی ہے، ایمانیات کے اسی سلسلہ کو عقائد بھی کہتے ہیں۔

اسلام میں عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، عقائد اگر درست نہ ہوں تو بڑے بڑے کام بے حیثیت ہوکر رہ جاتے ہیں، اور آدمی مسلمان باقی نہیں رہ جاتا، عقائد میں بھی سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ توحید کا ہے، باقی عقائد اسی عقیدۂ توحید سے نکلتے ہیں، عقیدۂ توحید کی درستگی سے بقیہ عقائد کی درستگی بھی آسان ہوجاتی ہے۔

اللہ پر ایمان

اللہ پر یقین اور اس کو اسی طرح ماننا جیسا کہ اس کے بارے میں اس کے نبیوں بتایا اس کو اللہ پر ایمان کہتے ہیں، قرآن مجید اللہ کی آخری اور مکمل کتاب ہے، جس میں اللہ کی صفات بیان کی گئی ہیں، جب اس کی صفات بیان کی جاتی ہیں تو قرآن مجید ان کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، سورہ حشر کی آخری آیتیں اس کی کھلی مثال ہیں، ارشاد ہوتا ہے ﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِیْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمِ، هُوَ اللَّهُ الَّذِیْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ، هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِءُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (الحشر: ۲۲-۲۴)

(وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، وہی رحمٰن ورحیم ہے ☆ وہی اللہ ہے جس کے سوا

کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی ہی سلامتی ہے، امن عطافرمانے والا ہے، سب کا نگہبان ہے، غالب ہے، زبردست ہے، بڑائی کا مالک ہے، اللہ کی ذات ان کے ہر طرح کے شرک سے پاک ہے☆ وہی اللہ ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود بخشنے والا ہے، شکل عطا فرمانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں، اسی کی تسبیح میں لگے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی غالب ہے حکمت رکھتا ہے)

اور جب اس کی تنزیہ کا موقع ہوتا ہے تو اس کو بالکل دوٹوک الفاظ میں بیان کردیا جاتا ہے، اور بات صاف کردی جاتی ہے کہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

(اس جیسا کوئی نہیں اور وہ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے)

وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا وتنہا ہے، کوئی اس کے جیسا نہیں، یہی توحید کا عقیدہ ہے، جو ایمانیات کے باب میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، آگے صفحات میں اسی کی توضیح وتشریح پیش کی جارہی ہے۔

عقیدۂ توحید

توحید کہتے ہیں ایک ماننے کو، اس کا تعلق اللہ تعالی کی ذات وصفات سے ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ ان تمام چیزوں کا ایک پیدا کرنے والا ہے، سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ

جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں، ان ناموں سے اس کو پکارا جائے اور صرف اسی کی بندگی کی جائے، عبادت کے سارے اعمال اسی کے ساتھ خاص ہیں، کسی کو عبادت میں اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے، صرف اسی کے آگے سر جھکایا جائے اور اسی کو مشکل کشا اور قاضی الحاجات سمجھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی، اور اس میں انسان کو آباد فرمایا، حضرت آدمؑ سب سے پہلے انسان ہیں جن کو ان کی بیوی حضرت حواؑ کے ساتھ دنیا میں آسمان سے اتارا گیا، اور یہ کہہ دیا گیا کہ تم اور تمہاری اولاد جب تک ایک اللہ کو مانتی رہے گی، اسی کی عبادت کرتی رہے گی، اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتی رہے گی، اس وقت تک وہ کامیاب ہوتی رہے گی، اور جب وہ اس راستہ سے ہٹے گی، اللہ کے علاوہ دوسروں کو پوجنے لگے گی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

شیطان جو انسان کا دشمن ازلی ہے، اس نے اللہ سے پہلے ہی دن اجازت لے لی کہ میں انسان کو بہکاؤں گا اور اس کو غلط راستہ پر ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اللہ نے فرمایا کہ جا، اپنی سب تدبیر کر، لیکن میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا، اس دن سے شیطان کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ وہ انسان کو شرک میں مبتلا کر کے ایک

اللہ کی بندگی سے ہٹادے، اس لیے کہ یہی انسان کی سب سے بڑی گمراہی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کے حق کو بھول جائے، اور شرک وکفر میں مبتلا ہو کر اس کے نتیجہ میں ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم کا کندہ بنے۔

اللہ کا انسان پر یہ بڑا فضل ہے کہ اس نے ہمیشہ بندوں کو صحیح راستہ پر لانے کے لیے اور ایک اللہ کی بندگی میں داخل کرنے کے لیے ہر دور میں رسول بھیجے، ہر رسول کی دعوت یہی تھی ﴿مَا لَكُم مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُه﴾ (الأعراف:۵۹) (اس ایک اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں)

ان رسولوں میں سب سے آخری اور سب سے افضل رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے بھیجا گیا، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت مشرکین مکہ ایک اللہ کو مانتے تو تھے لیکن اس کے ساتھ سیکڑوں خداؤں کو شریک کرتے تھے، ان کے لیے بندگی کے اعمال بجالاتے، اور نذر و نیاز گذارتے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شرک کی نفی فرمائی، اور اس کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا، اور قرآن مجید میں صاف صاف اعلان کردیا گیا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (النساء:۱۱۶)

(اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور

اس کے علاوہ جس کو چاہے گا معاف فرمادے گا)۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد توحید کی دعوت دینا تھا اور توحید کے سلسلہ کی غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمانہ میں شرک کے ساتھ مفاہمت گوارہ نہ فرمائی، مشرکین مکہ کہتے تھے کہ آپ ہمارے معبودوں کی نفی چھوڑ دیں تو ہماری ساری دشمنی ختم ہو جائے گی، ہم آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں توقف نہیں فرمایا اور ساری زندگی توحید کی حقیقت بیان فرماتے رہے اور خدا اور بندہ کا فرق واضح فرماتے رہے۔

خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنی ذات اقدس کے بارے میں یہ خوف ہوا کہ کہیں امت آپ کو اسی طرح خدائی کا درجہ نہ دے دے جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان یہ بات فرمائی:

”لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم فانما أنا عبده، فقولوا عبد الله ورسوله“ (۱)

(مجھے اس طرح آگے نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسی بن مریم کے ساتھ کیا، یقیناً میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں تو تم کہو کہ اللہ

---

(۱) صحیح البخاری: ۳۴۴۵

کے بندے اور رسول ہیں)

اور وفات سے پہلے زبان مبارک سے یہ کلمات جاری ہوئے:

"لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد."(۱)

(اللہ تعالی یہود ونصاری پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح توحید کو صاف صاف بیان فرمایا؛ اس کے لیے پہلے مشرکین مکہ کے عقیدہ کو سمجھنا ہوگا، اور ان کے شرک کی نوعیت کو جاننا پڑے گا، جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی، پھر قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں توحید کی حقیقت واضح ہوگی۔

مشرکین مکہ کے عقائد اور توحید ربوبیت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اگر چہ عالمی اور ابدی ہے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب اہل مکہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے سامنے دعوت توحید پیش کی، تو انہوں نے صاف کہا کہ ہم عبادت کا اصل محور اللہ کی ذات ہی کو سمجھتے ہیں، البتہ دوسروں کی عبادت ہم اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں، قرآن

(۱) صحيح البخاري: ۱۳۳۰

مجید میں ان کی اس بات کا تذکرہ موجود ہے: ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ﴾ (الزمر:۳) (ہم ان کی بندگی اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے مرتبہ میں قریب کردیں)۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو خدا سمجھتے تھے، اور اس کی ربوبیت کو مانتے تھے، لیکن عبادت میں وہ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے، اس کی بھی تاریخ ہمیں ایک صحیح حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ جن بتوں (ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر) کو پوجتے تھے، ان کے بارے میں حدیث میں ہے کہ یہ سب قوم نوحؑ کے نیک لوگ تھے، جب یہ وفات پاگئے تو شیطان نے لوگوں کو یہ بات سمجھائی کہ یہ صالح لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں پتھر نصب کرو، اور اس پتھر کو ان کے نام سے پکارو، تو انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر جب یہ لوگ بھی مرگئے، اور ان سے علم اٹھ گیا تو ان کی اولاد نے ان پتھروں اور یادگاروں کی پرستش شروع کردی۔(۱)

یہ بت پرستی کی تاریخ ہے، مگر اس بت پرستی کے ساتھ وہ یقین رکھتے کہ اللہ ہی زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اصل اختیار وتصرف اسی کے قبضہ میں ہے، ان کے اس عقیدہ کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے ﴿قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ

(۱) صحیح البخاری: ۴۹۲۰

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ﴾ (مؤمنون:۸۴-۸۸)

(پوچھئے کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے (بتاؤ) اگر تم علم رکھتے ہو؟ وہ جھٹ یہی کہیں گے کہ اللہ کا، پھر بھی تم دھیان نہیں رکھتے ۔ پوچھئے ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ فوراً یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہیں۔ کہیے پھر بھی تم ڈر نہیں رکھتے؟ پوچھئے ہر چیز کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو؟ وہ فوراً یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہاتھ میں۔ آپ کہہ دیجیے تو کہاں کا جادو تم پر چل جاتا ہے؟!)

اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ کسی سخت مصیبت میں گھر جاتے تو بے ساختہ اللہ ہی کو پکارتے پھر جب مصیبت سے چھٹی مل جاتی تو دوسروں کی پرستش کرنے لگتے، قرآن مجید میں ان کے اس طرز عمل کا ذکر بھی موجود ہے ﴿حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ

هَـٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ (یونس:۲۲)

(یہاں تک کہ تم جب کشتی میں (سوار) ہوتے ہو اور خوشگوار ہوا کے ذریعہ وہ لوگوں کو لے کر چلتی ہیں اور لوگ اس میں مگن ہو جاتے ہیں تو ایک سخت آندھی ان کو آلیتی ہے اور ہر طرف سے موجیں ان پر اٹھتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اس میں گھر گئے تو بندگی میں یکسو ہو کر وہ اللہ کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس سے بچالیا تو ہم ضرور شکر بجالانے والوں میں ہوں گے)۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو رب مانتے تھے اور بڑی حد تک ''توحید ربوبیت'' کے قائل تھے، مگر اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے تھے، اور ان کے لیے نذر و نیاز گذارتے تھے، اور اس کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، اس لیے ان کو ''مشرک'' قرار دیا گیا، یہ چیز اصطلاح میں "شرك في الالوهية" یا "شرك في العبادة" ہے، یعنی الوہیت یا عبادت میں شرک کہلاتی ہے، جبکہ توحید کے لیے ضروری ہے کہ ربوبیت میں توحید کے ساتھ ساتھ الوہیت میں بھی توحید ہو، اور صفات میں بھی توحید ہو، آگے توحید الوہیت اور توحید صفات کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

توحید الوہیت

اس کو ''توحید عبادت'' بھی کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ

عبادت اور اس کی تمام قسموں کو صرف اللہ کے لیے ہی خالص کرلیا جائے، مثلاً دعا، نذر، قربانی، خضوع وتذلل تعظیم کے وہ کام جو صرف اللہ کے لیے درست ہیں، مثلاً سجدہ، رکوع وغیرہ، حاصل یہ کہ عبادت کی ساری قسمیں ظاہری ہوں یا باطنی صرف اللہ کے لیے خاص کرلی جائیں، ان میں کسی کو بھی اللہ کے ساتھ شریک نہ کیا جائے، خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ، ولی ہو یا شہید، یہی وہ توحید ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں کیا گیا ہے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحة:۴) (اے اللہ) ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں)

﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (هود: ۱۲۳) (تو آپ اسی کی بندگی میں لگے رہیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں)

﴿رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ (مريم: ٦٥) (وہ آسمانوں اور زمین کا اور دونوں کے درمیان جو بھی ہے ان سب کا رب ہے تو آپ اسی کی بندگی کریں اور اسی کی بندگی میں لگے رہیں، کیا اس نام کا اور بھی کوئی ہے جس سے آپ واقف ہیں)

''الٰہ'' کہتے ہیں اس کو جو عبادت کے لائق ہو، مشرکین مکہ چونکہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے تھے، اس لیے انہوں نے متعدد معبود

بنا لیے تھے، ایک "الٰہ" کا ان کے یہاں تصور ہی نہیں رہ گیا تھا، اسی لیے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ہی رب کی عبادت کی دعوت پیش کی تو ان کو بڑا تعجب ہوا، قرآن مجید نے اس کو یوں نقل کیا ہے: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهاً وَاحِداً إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص:۵)

(انہوں نے اپنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے)

اب ان دونوں باتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اوپر گذر چکا ہے کہ وہ رب کو ایک مانتے تھے، اور اسی کو اصلاً خالق و مالک سمجھتے تھے، لیکن عبادت میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے، اور تعدد الٰہ کے قائل تھے، عبادت میں شرک کی وجہ سے ان کو مشرک گردانا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توحید عبادت و توحید الوہیت کی دعوت دی، اور فرمایا: "قولوا لا اله الا الله تفلحوا"(۱)

(مان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کامیاب ہو جاؤ گے)

معبود کہتے ہی اس کو ہیں جس کی عبادت کی جائے، قرآن مجید میں جا بجا شرک کی اسی قسم کی بیخ کنی کی گئی ہے ﴿وَإِلَـهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لاَّ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ (البقرۃ: ۱۶۳)

---

(۱)مسند احمد بن حنبل: ۱۹۵۲۰

(اور تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے اس رحمٰن ورحیم کے علاوہ کوئی معبود نہیں)

﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾ (المومنون: ۱۱۷)

(اور جو بھی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے گا جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا، کافر ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے)

مشرکینِ عرب اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے تھے، زمین وآسمان کا مالک وخالق اسی کو گردانتے تھے، مشکل کے وقت میں اسی کو پکارتے تھے، اس کو اپنا رب سمجھتے تھے، مگر اس کے باوجود ان کو اللہ تعالیٰ نے مشرک قرار دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر ان سے جنگ جاری رکھی، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کو خالق ومالک ماننے کے باوجود درمیانی واسطوں کے اس طور پر قائل تھے کہ ان کی اور نذر ونیاز کرنے اور وہ اعمال جو درحقیقت اعمال عبادت ہیں، ان اعمال میں وہ درمیانی واسطوں کو شریک کرلیا کرتے تھے، ان کو اس شرک سے روکا گیا ہے اور صاف صاف دعوت توحید دی گئی ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّينَ﴾ (الزمر: ۲)

(ہم نے ٹھیک ٹھیک کتاب آپ پر اتاری ہے دین کو اسی کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کرتے رہیے)

انہوں نے اس کا جو جواب دیا اس کو قرآن مجید نے نقل کیا ہے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر:۳)

(ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں یہ فرمایا، ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾ (یوسف:۱۰۶)

(ان میں اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں)

مشرکین عرب اعمال عبادت میں غیروں کو شریک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ شرک نہیں ہے، یہ شرک اس صورت میں ہوگا جب ہم غیروں کو خالق و مالک بھی سمجھیں، مندرجہ بالا آیات میں اس کی پُر زور تردید کی گئی ہے اور اس کو عین شرک قرار دیا گیا ہے، آگے اعمالِ عبادت کو قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

سجدہ

عبادت کے اعمال میں سجدہ اس کا بڑا مظہر ہے، یہ صرف اللہ کے

ساتھ خاص ہے۔ کسی دوسرے کو سجدہ کرنا عمل شرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (فصلت:۳۷)

(نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، اور سجدہ اللہ کو کرو جس نے ان کو پیدا کیا، اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ "و عن قيس بن سعد بن عبادة الانصاريؓ قال: أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم، فقلت: لرسول الله أحق أن يسجدوا له، فأتيت رسول اللهﷺ فقلت: إني أتيت الحيرة فرايتهم يسجدون لمرزبان لهم، فأنت أحق أن يسجد لك، فقال لي: أرايت لو مررت بقبري اكنت تسجد له؟ فقلت: لا، فقال: لا تفعلوا" (۱)

"میں حیرہ گیا وہاں میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے چودھری کو سجدہ کرتے ہیں تو میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا، میں حیرہ گیا تو وہاں دیکھا کہ وہ لوگ اپنے چودھری کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میری

(۱)أبو داؤد:۲۱٤۲

قبر کے پاس سے گذرو تو کیا اس کو سجدہ کرو گے؟ تو میں کہا: نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایسا نہ کرو"۔

بہت سے ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ نہ کراتے اور اسی طرح حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے حضرت یوسف کے آگے سجدہ میں نہ گر جاتے، یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے، گذشتہ حضراتِ انبیاء کی شریعتیں الگ تھیں، یہ امت صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پابند ہے، حضرت آدم کی شریعت میں بھائی بہن کی شادی جائز تھی، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی شریعت کے بعض الگ احکام تھے، ان کے یہاں سجدہ تعظیمی کی اجازت تھی لیکن اس شریعت میں اللہ کے علاوہ کسی کے لیے سجدہ کی اجازت نہیں ہے، جیسا کہ اوپر آیت اور حدیث گذر چکی ہے، جو چیزیں شریعت محمدیؐ میں ممنوع اور حرام ہیں دوسری سابقہ شریعتوں سے استدلال کر کے ان پر عمل کرنا کھلی گمراہی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تلفی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے دو تین روز پہلے یہ بات فرمائی تھی:

"لعن اللہ الیہود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد"(۱)

(۱) صحیح البخاری: ۱۳۳۰

(اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا)۔

آپ ﷺ نے اخیر میں یہ بات صراحت سے اسی لیے فرمائی کہ کہیں آنحضور ﷺ کی قبر اطہر کے ساتھ آپ ﷺ کے امتی وہی کام نہ کرنے لگیں جو دوسری امتوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ کیا۔

ظاہر ہے جب حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کے سامنے سجدہ ناجائز ہے تو کسی اور ولی کی قبر پر سجدہ کرنا کہاں جائز ہو سکتا ہے، یہ مشرکانہ عمل جو لعنت کا مستحق ہے، آج امت کا ایک طبقہ اس میں مبتلا ہے اور وہ اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی کھلی نافرمانی کر رہا ہے۔

جس طرح قبر کو سجدہ کرنا عمل شرک ہے اسی طرح کسی زندہ انسان کو یا کسی بھی دوسری چیز کو سجدہ کرنا شرک کا عمل ہے، یہ مشرکانہ رسم بھی بعض علاقوں میں پیدا ہو گئی ہے کہ لوگ اپنے پیر کو سجدہ کرتے ہیں، سجدہ کرنے والے کا بھی ایمان جاتا ہے اور سجدہ کرانے والے کا بھی، اس لیے کہ یہ عمل عبادت ہے اور کسی عبادت کا عمل اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے کیا جائے یہ شرک فی الالوہیت ہے، جس کو مٹانے کے لیے آنحضور ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ یہ سجدہ عبادت کے لیے نہیں بلکہ تعظیم کے لیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ سے

بڑھ کر مخلوق میں کون عظمت والا ہوسکتا ہے مگر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے امت کو اس سے منع فرمایا جیسا کہ اوپر حدیث میں گذر چکا، وہاں جس سجدہ کا ذکر تھا وہ سجدہ تعظیمی ہی تھا مگر اس سے امت کو روک دیا گیا، اسی لیے پوری امت اس پر متفق ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے بھی کسی بھی نوعیت کا سجدہ جائز نہیں ہے اور یہ مشرکانہ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَداً﴾ (الجن:۱۸)

(اور یہ کہ سجدے سب اللہ ہی کے لیے ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو)۔

سجدہ کے علاوہ کسی کے سامنے نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا بھی درست نہیں، ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من سره أن يتمثل له الرجال قياماً فليتبوأ مقعده من النار" (۱)

(جس کو یہ اچھا لگتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویر کی طرح کھڑے رہیں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ بھی پسند نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں امتیازی مقام پر تشریف فرما ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہو جاتے اور صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اردگرد حلقہ بنالیتے۔

---

(۱) سنن الترمذی: ۲۹۷۹

دعا

دعا بھی خالص عبادت کا عمل ہے اور اللہ کے ساتھ خاص ہے، اگر کسی اور سے دعا کی جاتی ہے تو یہ شرک ہے، اس سے قبل آیت میں صاف صاف گزر چکا ہے کہ ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا﴾ (الجن:۱۸) (بس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو)، آیت میں یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ اگر کوئی اللہ ہی سے دعا کرتا ہے، ضرورت کے وقت اس کو پکارتا ہے مگر کبھی کبھی کسی نبی یا ولی کو بھی اس میں شریک کر لیتا ہے اور ان سے دعا کرنے لگتا ہے تو یہ بھی شرک ہے اور اللہ نے اس سے بھی منع فرمایا۔

موجودہ زمانہ کے مشرکانہ اعمال میں یہ عمل بھی ہے کہ لوگ قبروں کے پاس جا کر ان سے دعائیں کرتے ہیں، کسی صاحب قبر سے اولاد مانگتے ہیں، کسی سے روزی مانگتے اور اپنی دوسری ضرورتیں مانگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا کام بنادیں گے، یہ سب مشرکانہ کام ہیں، بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں کرتے ہیں اور آپ کو "قاضی الحاجات" سمجھتے ہیں، یہ بھی شرک کا عمل ہے، دعا ان اعمال میں سے ہے جو خالص اللہ کے لیے ہیں، متعدد آیتوں میں اللہ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ دعا صرف اسی سے مانگو، ضرورت کے وقت صرف اسی کو پکارو، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ (یونس:۱۰۶)

(اور اللہ کے علاوہ کسی کو بھی مت پکارو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے)۔

ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ☆ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ (فاطر:۱۳-۱٤)

(اور جن کو تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ؟ گٹھلی کے ایک روش کے بھی مالک نہیں، اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعا سن نہیں سکتے اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات پوری نہیں کر سکتے اور قیامت کے دن وہ خود تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور آپ کو اس بتانے والے کی طرح کوئی بتا نہیں سکتا)۔

جن اولیاء اللہ سے یا نبیوں سے دعائیں کی گئیں اول تو وہ ضرورت پوری نہیں کر سکتے، دوسرے وہ قیامت میں دعا کرنے والوں سے بیزاری ظاہر کریں گے کہ یہ سب ان کی خود ساختہ باتیں ہیں ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

ایک جگہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ

غَافِلُونَ﴾ (احقاف:۵) (اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو پکارے جو قیامت تک اس کا جواب نہ دے سکیں اور اس کی پکار کا ان کو پتہ ہی نہ ہو)۔

حاصل یہ ہے کہ دعا کسی سے نہیں کی جا سکتی سوائے اللہ کے اور اگر کسی دوسرے سے دعا کی جائے گی تو یہ شرک ہے، ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا: "فليسأل احدكم ربه حاجته كلها حتىٰ يسأله شسع نعله إذا انقطع" (۱)

(تم میں سے ہر ایک اپنی ہر ضرورت اللہ سے مانگے یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدا سے مانگے)۔

دین و دنیا کی کوئی چھوٹی بڑی ضرورت ہو وہ اللہ ہی سے مانگی جائے، اسی سے دعا کی جائے، کسی کے بارے میں یہ سمجھنا کہ یہ عالم غیب ہے، ہماری ضرورت پوری کر دیں گے، یہ شرک ہے، البتہ بزرگوں سے دعا کرانے کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے بلکہ اس کو بہتر قرار دیا گیا ہے، لیکن یہاں بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بھی صرف دعا کرتے ہیں، اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے وہ مقرب بندے ہوتے ہیں، اس لیے اللہ کی رحمت خاصہ متوجہ ہوتی ہے اور ان کی

---

(۱) مسند احمد: ۱۰۷۹

زیادہ تر دعائیں قبول ہوتی ہیں مگر یہ سمجھنا کہ ان کی دعا اللہ تعالیٰ رد کر ہی نہیں سکتا، یہ بھی مشرکانہ عقیدہ ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ابو طالب اسلام قبول کر لیں مگر اللہ کا فیصلہ یہ نہیں تھا تو وہ آپ کی چاہت اور دعا کے باوجود اسلام نہیں لائے اور اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ (قصص:٥٦)

(آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے، ہاں اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)

اس سے بات صاف ہوئی کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے وہ مختار کل ہے، جس کی چاہے دعا قبول کرے، اور جس کی چاہے رد کرے۔

ذبح وقربانی

یہ عمل بھی خالص اللہ کے لیے کیا جا سکتا ہے اگر ذبح وقربانی اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے قرب ورضا کے لیے کی جائے گی تو یہ عمل شرک ہوگا، ارشاد ربانی ہے ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الأنعام:١٦٢)

(کہہ دیجیے کہ میری نماز میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا بس اللہ رب العالمین کے لیے اور اسی کا مجھے حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا

فرمانبردار ہوں)

اور جو بھی جانور غیر اللہ کے نام پر چھوڑا جائے گا یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے گا وہ نجس ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أَوْ فِسْقاً أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾ (الأنعام: ١٤٥)

(یا گناہ (کا جانور) ہو جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو)

یہ مشرکانہ عمل بہت سے لوگوں میں رائج ہے کہ وہ جانور کسی بزرگ کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہ شیخ سدو کا بکرا ہے یا احمد کبیر کی گائے ہے، یہ فلاں کا جانور ہے، کسی بھی ولی، نبی، جن یا کسی بھی مخلوق کے نام پر جانور چھوڑ دینا شرک کا عمل ہے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے سے وہ جانور نجس ہو جاتا ہے اور اس عمل کے کرنے والے پر شرک لازم آتا ہے، اس لیے کہ اس نے جو عمل عبادت صرف اللہ کے لیے ہونا چاہیے وہ غیر اللہ کے لیے کیا، حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''بہت سے جاہل لوگوں نے یہ معمول بنالیا ہے کہ وہ اللہ کے ولی، نیک لوگوں اور اپنے بزرگوں کے لیے جانور نذر مانتے ہیں، ان جانوروں کو ان کی قبروں پر لے جاتے ہیں اور ذبح کرتے ہیں، فقہاء سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کو شرک شمار فرمایا ہے''۔(۱)

(۱) مکتوبات مجدد الف ثانیؒ، مکتوب: ۴۱-۳۵

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک کتاب نکالی اس میں لکھا تھا: "لعن الله من ذبح لغير الله" (۱)

(اس پر اللہ لعنت کرے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے)

جگہوں کی تعظیم

اللہ تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے لیے بعض بعض جگہیں مخصوص کی ہیں جیسے کعبہ، عرفات، مزدلفہ، منیٰ، صفا، مروہ، مقام ابراہیم اور ساری مسجد حرام مکہ معظمہ بلکہ پورا حرم، لوگوں کے دلوں میں وہاں پہنچنے کا شوق ڈال دیا ہے، لوگ دور دور سے وہاں پہنچتے ہیں، طواف کرتے ہیں، دل کے ارمان جی بھر بھر کے نکالتے ہیں۔ کوئی چوکھٹ سے چمٹا ہے، کوئی غلاف پکڑے ہوئے التجا کر رہا ہے، کوئی وہیں رات دن بیٹھا اللہ کی یاد میں مشغول ہے، کوئی ادب سے کھڑا اس کو دیکھ رہا ہے، صفا مروہ کے چکر کاٹے جا رہا ہے، خاص دنوں میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کا وقوف کئے جا رہا ہے، یہ سارے کام اللہ کی تعظیم کے لیے اور اس کی بندگی کے طور پر ہیں، اللہ ان سے راضی ہے، اس طرح کے کام کسی اور کی تعظیم کے لیے کرنا شرک ہے، کسی کی قبر کے پاس اس کی خوشنودی کے لیے چلہ کرنا کسی جگہ کو مقدس سمجھ کر دور دراز کا سفر کر کے آنا اور منتیں پوری کرنا یا کسی قبر یا مکان کا طواف کرنا اور اس

(۱) مسلم: ۵۲۴۰

کے آس پاس کی جگہ کو مقدس سمجھنا، وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھانس نہ اکھاڑنا اوراس جیسے کام کرنا اوران پر دین ودنیا کے فائدے کی امیدیں باندھنا یہ سب شرک کی باتیں ہیں کیونکہ سب کام صرف اللہ کے لیے خاص ہیں، کسی غیر کے لیے ان کاموں کو کرنا شرک ہے۔

اسی طرح کسی چیز کو مقدس سمجھ کر اس سے امیدیں وابستہ کرنا اور اس کی تعظیم کرنا جیسے کسی کے نام کی چھڑی، تعزیہ، تعزیہ کا چبوترہ، علم اور شدہ، امام قاسم اور پیر دستگیر کی مہندی، شہید کے نام کا طاق، لوگ ان چیزوں کی تعظیم کرتے ہیں، وہاں جا کر نذریں چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں، اس کی قسم کھاتے ہیں، یہ سب کام شرک کے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے کہ لوگ اخیر دور میں اس طرح کی چیزوں کو پوجنے لگیں گے، ترمذی شریف کی روایت میں ہے: "لا تقوم الساعة حتىٰ تلحق قبائل من امتي بالمشركين و حتىٰ يعبدوا الأوثان" (۱)

(اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین سے مل نہیں جائیں گے حتی کہ میری امت کے کچھ قبائل غیر اللہ کو پوجنے لگیں گے)

---

(۱) ترمذی: ۲۳۸۰

پوجنے کا مطلب یہی ہے کہ جو کام صرف اللہ کے لیے خاص ہیں اور جو تعظیم صرف اللہ کے لیے کی جاتی ہے وہ دوسروں کی کی جائے، یہی شرک فی العبادۃ ہے جس میں امت کا ایک اچھا خاصہ طبقہ مبتلا ہے۔

استغاثہ واستعانہ

یہ دونوں کام یعنی فریاد کرنا اور پناہ چاہنا یہ بھی صرف اللہ کے لیے خاص ہیں، حدیث میں آتا ہے:"لا یستغاث بي انمایستغاث باللّٰه عزوجل"(۱)

(میرے سامنے استغاثہ نہیں کیا جاسکتا، استغاثہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کیا جائے گا)۔قرآن مجید میں صاف صاف فرمایا گیا: ﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ (یونس:۱۰۷)

(اور اگر اللہ تمہیں کسی تکلیف میں ڈال دے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمالے تو اس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا وہ اپنے بندوں میں جسے چاہے اسے عطا کرے)

یہ بھی عبادت میں ہی شرک کا عمل ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی کا بندہ کہے، بندگی صرف اللہ کی ہے، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ اس

---

(۱) کنزالعمال: ۲۹۸٦۲

طرح جملہ زبان سے ادا کرتے ہیں کہ: "نحن عباد محمد و اللہ رب محمد" (ہم محمد ﷺ کے بندے ہیں اور اللہ محمد ﷺ کا رب ہے) یہ کھلا ہوا مشرکانہ جملہ ہے، سب اللہ کے بندے ہیں اور سب کا رب اللہ ہے، آنحضور ﷺ نے زندگی بھر اسی کی تعلیم دی، فرمایا: "إنما أنا عبد اللہ و رسوله فقولوا عبد اللہ و رسوله" (۱) (میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں تو تم اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو)۔

اسی طرح رسول بخش، عبد النبی، عبد الرسول، پیر بخش، حسین بخش، سالار بخش جیسے نام رکھنا بھی درست نہیں، اس سے بھی شرک کی بو آتی ہے، بخشش صرف اللہ کا کام ہے کسی دوسرے کو اس میں کسی طرح بھی شریک کرنا توحید کے خلاف ہے۔

اطاعت مطلقہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر احکامات اتارے، ان پر چلنا اور آپ ﷺ کی بابت ماننا فرض ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت کو ضروری جاننا ایمان کا بنیادی حصہ ہے، یہی اصل دین ہے کہ اللہ کے حکم پر چلا جائے اور اللہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے ہی معلوم ہوتا ہے، پس اس پر عمل کرنے میں نجات ہے اگر کسی دوسرے کو مطلق اطاعت کے

---

(۱) صحیح البخاری: ۳٤٤٥

قابل سمجھا جائے اور اس کی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر مقدم کیا جائے تو یہ شرک ہے خواہ کتنا ہی بڑا بزرگ، ولی، امام، مجتہد یا قطب ہو، سب اللہ کے بندے ہیں اور سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں، نماز اللہ نے فرض کی، اب اگر کوئی نماز معاف کردے تو ایسے شخص کی بات ماننا اور اس کو اطاعت کے قابل سمجھنا شرک ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز معاف نہیں کی اور چاروں ارکان نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو دین کا ستون بتایا اور فرمایا کہ جس نے نماز کو ڈھا دیا گویا اس نے دین کی بنیاد ڈھادی پھر اس کے بعد اس کے برخلاف کسی دوسرے کی بات مان کر نماز کو معاف سمجھنا یا اور شریعت کے احکامات کو ضروری نہ سمجھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو چھوڑ کر پیر کی بات سے سند پکڑنا، یہ شرک کا عمل ہے۔ یہود و نصاریٰ نے یہی کیا، اللہ فرماتا ہے ﴿اتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۱) (انھوں نے اپنے علماء اور اپنے بزرگوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا)۔

یہ علماء اور ائمہ قرآن اور حدیث کو وضاحت کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیتے، اسی لیے ان کی بات مانی جاتی ہے، حقیقت میں اتباع و تقلید ان کی نہیں ہوتی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی ہے۔

اور جو لوگ اپنی طرف سے اس میں ٹھہراتے ہیں اور ان کو پورا کرنا ضروری جانتے ہیں یہ سب مشرکانہ کام ہیں، ستاروں سے شگون لینا، غیر اللہ کی قسمیں کھانا، غیر اللہ کی نذر ماننا، کسی کے نام پر جانوروں کے ناک یا کان کاٹنا اور ان کی شکلیں بگاڑنا اور کسی کے نام پر ان کا چھوڑ دینا اور ان پر سواری کو بے ادبی سمجھنا اور ان کے علاوہ بھی مخصوص مہینوں کے مخصوص پکوان کسی کے نام پر پکانا یا خاص لباس کسی کے نام پر پہننا اور اس کو ضروری سمجھنا یہ سب نہایت غلط اور مشرکانہ کام ہیں، شریعت ایک ہے جو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے امت کو ملی ہے، اس پر چلنے کو ضروری جاننا یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور کوئی یہ سمجھتا ہے کہ شریعت میں تبدیلی ممکن ہے اور کوئی بھی آکر اس میں تبدیل کر سکتا ہے تو یہ کھلا شرک ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اعلان فرما چکا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة:۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کر لیا)

توحید صفات

جس طرح اللہ کو تنہا رب سمجھنا اور اعمال عبادت کو اسی کے لیے خاص کرنا ضروری ہے جس کو توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کہتے ہیں

اس طرح اس کی صفات میں اس کو یکہ وتنہا سمجھنا بھی عقیدہ توحید کے لیے ضروری ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾ (الشوریٰ:۱۱) (کوئی بھی اس کے جیسا نہیں) نہ ذات میں نہ صفات میں، اس کا علم، اس کی قدرت، اس کا تصرف اور ان کے علاوہ اس کی سب صفات اس کی ذات کی طرح لامحدود ہیں، اس کی ذات وصفات کے علاوہ سب اس کی مخلوق ہیں، جن کے اللہ نے حدود رکھے ہیں، اسی طرح ان کی صفات بھی محدود ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو جیسا بنایا اس کے حساب سے اس کے اندر صفات رکھی ہیں، انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کے اندر جو صفات ہیں وہ دوسری مخلوق میں نہیں، پھر انسانوں میں اللہ نے فہم کے اعتبار سے بڑا فرق رکھا ہے، اس حساب سے صفات بھی بہت الگ الگ ہوتی ہیں، ایک سمجھ جاہل آدمی کی ہوتی ہے، اور ایک سمجھ پڑھے لکھے آدمی کی ہوتی ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ کی دی ہوئی ظاہری چیزوں پر منحصر ہوتا ہے۔

علم غیب

اللہ نے جو حواس دیے ہیں ان سے کام لے کر آدمی نتیجہ نکالتا ہے، کسی چیز کو چکھتا ہے تو اس کے ذائقہ کا فیصلہ کرتا ہے، دیکھتا ہے تو رنگ سمجھ میں آتا ہے، سونگھتا ہے تو بُو کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، سنتا ہے تو آواز سے بہت کچھ نتائج نکالتا ہے، چھوتا ہے تو نرمی، سختی، چکنے پن یا کھردرے پن کا

احساس کرتا ہے، لیکن جو چیز اس کے حواس سے باہر ہو اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں کہہ سکتا، نہ حقیقت تک پہنچ سکتا ہے، جو چیز ادراک میں نہ آسکے وہ غیب کہلاتی ہے، آدمی خود کسی بھی غیب کی بات نہیں جان سکتا البتہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو بہت سی باتیں بتاتا ہے بس جتنی باتیں ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ بتادیتا ہے اتنی باتیں وہ جان لیتے ہیں، اپنی طرف سے وہ ایک بات بھی نہیں بتاسکتے۔

آخری نبی اور نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ نے بہت سی باتیں غیب کی بتائیں، جتنی باتیں اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیں وہ ان کے علم میں آگئیں، اس کے علاوہ جو غیب کی چیزیں تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی غیب ہی رہیں اور ان کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا، بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں اس کی تفصیل آئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (النمل:٦٥)

(کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو لوگ بھی ہیں وہ غیب نہیں جانتے سوائے اللہ کے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے)۔ دوسری آیت میں ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً

﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِأَیِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾
(لقمان:٣٤)

(یقیناً اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش کرتا ہے اور رحم کے اندر جو کچھ ہے اس کو جانتا ہے اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس جگہ اس کی موت ہوگی بلاشبہ اللہ خوب جانتا پوری خبر رکھتا ہے)۔ مزید فرمایا ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام:٥٩)

(اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، وہی ان کو جانتا ہے)۔

یعنی غیب کی سب باتیں اللہ کے علم میں ہیں، قیامت جس کا آنا یقینی ہے، اس کے وقت کا بھی کسی کو علم نہیں، نہ نبی کو، نہ فرشتے کو، نہ کسی ولی کو، نہ غوث وقطب کو، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اس کا وقت پوچھا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے اور آیت شریفہ میں اس کو بیاں کر دیا گیا ﴿یَسْأَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَیَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِیْكُمْ إِلَّا بَغْتَةً یَسْأَلُوْنَكَ كَأَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف: ١٨٧)

(وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں کہ کب اس

کے برپا ہونے کا وقت ہے، کہہ دیجیے اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے، وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کردے گا، آسمانوں اور زمین پر وہ بھاری ہے، اچانک ہی وہ تم پر آجائے گی، وہ آپ سے ایسا پوچھتے ہیں کہ گویا آپ اس کی کرید میں ہیں کہہ دیجیے اس کا پتہ اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ بے خبر ہیں)

اسی طرح اور جو غیب کی باتیں ہیں ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، فتح ہو یا شکست ہو، صحت ہو یا بیماری ہو، مرنا جینا ہو، غنی وفقیر ہونا ہو اور اس کے علاوہ جو بھی غیب کی باتیں ہیں ان کو صرف اللہ ہی جانتا ہے، غزوہ بدر کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عجیب کیفیت طاری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر دعائیں فرمارہے تھے پھر اللہ نے ان کو بتایا کہ آپ غم نہ کریں اللہ فرشتوں سے ان کی مدد کرے گا اور فتح ہوگی۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی روز پریشانی میں گزرے تحقیق فرماتے رہے مگر کوئی کھلی بات سامنے نہیں آئی بالآخر آیت شریفہ نازل ہوئی اور اس میں حضرت عائشہؓ کی براءت نازل ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر دور ہوئی۔

یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے پاس ہیں وہ جس کو جانتا ہے قفل کھول کر اس میں جتنا چاہتا ہے بخش دیتا ہے، بس جو

کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میرے پاس ایسا علم ہے کہ جب چاہوں اس میں سے غیب کی باتیں معلوم کرلوں اور آئندہ باتوں کو معلوم کرنا میرے قابو میں ہے وہ بڑا جھوٹا ہے اور جو کسی نبی یا ولی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے وہ شرک میں جا پڑتا ہے اس لیے کہ یہ صرف اللہ کی صفت ہے کوئی دوسرا اس میں اس کا شریک نہیں۔

قرآن مجید میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا: ﴿قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي نَفۡعٗا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۚ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ لَٱسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ ٱلۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُۚ إِنۡ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٞ وَبَشِيرٞ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ﴾ (الاعراف:۱۸۸)

(آپ بتا دیجیے کہ میں اپنے لیے کچھ بھی نفع نقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ اچھی اچھی چیزیں جمع کرلیتا، اور مجھے تکلیف بھی نہ پہنچتی، میں تو ان لوگوں کے لیے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں جو مانتے ہیں)۔

یہ بات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوائی جارہی ہے جو سب نبیوں کے سردار ہیں، دنیا میں جس کسی کو بزرگی حاصل ہوئی وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں خود اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں تو دوسروں کا کیا کرسکوں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اگر جانتا

ہوتا تو پہلے ہر کام کا انجام معلوم کر لیتا، اچھا ہوتا تو کرتا، اور اگر بُرا انجام معلوم ہوتا تو ہاتھ روک لیتا، یہ کسی کے اختیار میں نہیں، جو جب جو چاہے معلوم کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے یہ سب اللہ کے کام ہیں، ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِىْ مَن يَشَاءُ﴾ (القصص:٥٦) (آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے، ہاں اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)

اب ذیل میں چند صحیح احادیث نقل کی جاتی ہیں جن میں صراحت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے: "عن الربيع بنت مسعود بن عفراء قالت جاء النبي ﷺ فدخل حين بني عليَّ فجلس علىٰ فراشيُ كمجلسك مني، فجعلت جوريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائي يوم بدرٍ، إذ قالت إحداهنَّ: وفينا نبيٌّ يعلم ما في غد، فقال: دعي هذه، وقولي بالذي كنتِ تقولين"(١)

(حضرت ربیع بنت سعود بن عفرا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب میری شادی ہوئی تھی اس وقت تشریف لائے تھے اور جس

(۱) البخاري:٥١٤٧

طرح تم بیٹھے ہو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے تو کچھ بچیاں دف بجا بجا کر ان لوگوں کا تذکرہ کرنے لگیں جو بدر میں شہید ہوئے تھے، تو ان میں سے ایک بولی کہ ہم میں ایک ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات مت کہو اور جو تم کہہ رہی تھی وہ کہو)

بخاری کی دوسری روایت میں ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر تم سے کوئی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں کو جانتے ہیں جس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ﴿إن الله عنده علم الساعة﴾ تو اس نے بڑا بہتان باندھا۔

تصرف وقدرت

مطلق تصرف وقدرت اللہ کی صفت ہے، وہ جو چاہے کرے اس کو سب اختیار ہے، اس کے آگے کسی کو کوئی اختیار نہیں، جس کسی کو بھی اختیار ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے اور وہ محدود ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان فرمادیا ﴿الآ لَهُ الْخَلْقُ وَ الأمْرُ﴾ (الأعراف: ٥٤) (کان کھول کر سن لو! اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے انتظام چلانا)

ایسا نہیں ہے کہ وہ پیدا کر کے فارغ ہو گیا ہو اور اس نے انتظام دوسروں کے سپرد کر دیا ہو، اور نہ اس کی مثال بادشاہوں کی سی ہے کہ وہ اپنے کاموں کے لیے وزیر رکھتے ہیں اور ان کو اختیار دے دیتے ہیں، جیسا

کہ مشرکین مکہ کا خیال تھا مختلف دیوی دیوتاؤں کے بارے میں، وہ یہی تصور رکھتے تھے کہ اللہ نے ان کو پورا اختیار دے دیا ہے، کوئی بارش کا مالک ہے، کوئی اولاد دینے کا، کوئی روزی کا، اسی لیے وہ ان دیوی دیوتاؤں کو پکارتے تھے مگر سب سے بڑا اللہ کو سمجھتے تھے پھر بھی ان کو مشرک ہی بتایا گیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس لیے ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شرک کی تاریکی سے نکالیں اور یہ یقین پیدا کریں کہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے، سورہ مؤمنون میں مشرکین مکہ کے بارے میں کہا جارہا ہے: ﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ﴾ (المؤمنون:۸۸-۸۹)

(پوچھیے ہر چیز کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو ☆ وہ فوراً یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہاتھ میں، آپ کہہ دیجیے تو کہاں کا جادو تم پر چل جاتا ہے)۔

وہ بنیادی طور پر مانتے تھے کہ سب اللہ کے اختیار میں ہے مگر یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ نے یہ اختیار دوسروں کو بھی دے دیا ہے، اسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تا کہ ان کے اس مشرکانہ عقیدہ کو دور کریں اور یہ بتا دیں کہ سب کچھ اللہ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہے، اس نے کسی کو

یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ جو چاہے کرے، اس کی آخری مثال خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جو سید الانبیاء ہیں، خاتم المرسلین ہیں، محبوب رب العالمین ہیں مگر خود ان کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِىْ مَن يَشَاءُ﴾ (القصص:٥٦) (آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے، ہاں اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)، اس سے بات صاف ہوگئی کہ اللہ کی بارگاہ میں کسی کو کوئی تصرف وقدرت نہیں، قرآن مجید ہی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا جا رہا ہے: ﴿قُلْ إِنِّىْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ☆ قُلْ إِنِّىْ لَن يُجِيرَنِىْ مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ (الجن:٢١-٢٢) (کہہ دیجیے کہ میں تمہارے لیے ذرا بھی نقصان کا مالک نہیں ہوں اور نہ ذرا بھی بھلائی کا ☆ کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ سے کوئی بھی بچا نہیں سکتا اور نہ اس کے سوا میں کہیں بھی پناہ کی جگہ پاتا ہوں)۔

کائنات میں کل مخلوقات میں سب سے اونچا مقام حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت سے صاف صاف کہہ دیں کہ میں تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں، کہیں تم دھوکہ میں نہ پڑ جانا کہ ہم جو چاہیں کریں، ہمارے نبی ہم کو بچا لیں گے، میں خود اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں، سب اللہ ہی کرتا ہے۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ اتری کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے تو آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو بلایا، عمومی خطاب بھی فرمایا اور خصوصی طور پر بھی مخاطب ہوئے، فرمایا: اے کعب بن لوی کے قبیلے والو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کی تدبیر کرو، میں تمہارے لیے اللہ کے یہاں کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اے مرہ بن کعب کے قبیلہ والو! تم بھی اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی تدبیر کرو، میں اللہ سے تمارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی طرح بنو عبد الشمس کو خطاب کیا، پھر بنو عبد مناف کو خطاب کیا، پھر نبو ہاشم کو خطاب کیا، پھر بنو عبد المطلب کو خطاب کیا، یہاں تک فرمایا: "يا فاطمه انقذي نفسك من النار" (۱)

اور ایک دوسری جگہ یہ الفاظ بھی ملتے ہیں، "سليني ما شئت من مالي لا أغنى عنك من الله شيئاً" (۲)

(اے فاطمہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، میرے مال میں سے جو ہو مجھ سے مانگو لیکن میں تمہارے لیے اللہ کے یہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا)۔

اس طویل حدیث سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ جب

---

(۱) مسلم: ۵۲۲ (۲) صحیح البخاری: ۲۷۵۳

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے وہ دیا جو کسی کو نہیں دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب سے چہیتی بیٹی کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں تو پھر کوئی دوسرا کیسے بھروسہ کرکے بیٹھ سکتا ہے کہ ہم جو چاہیں کریں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بخشوا دیں گے، یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کا حق حاصل ہوگا مگر اس کی حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے جس کو خود اللہ نے قرآن مجید میں بیان کر دیا کہ یہ سفارش اپنے اختیار سے نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائے گا تو ہوگی، ارشاد تعالیٰ ہے ﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة: ۲۵۵) (کون ہے جو بغیر اس کی اجازت کے اس کے پاس سفارش کر سکے)۔

ایسا نہیں ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ نہ چاہتے ہوئے بھی سفارش قبول کرتا ہے، بیوی کا دباؤ ہوتا ہے، بچوں کا ہوتا ہے، خاص خاص دوستوں کا ہوتا ہے، بادشاہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی سفارش تسلیم کرتا ہے، اللہ کی ذات اس سے بہت بلند ہے، ہاں اس کی مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ کسی نے کوئی جرم کیا، بادشاہ خود بھی چاہتا ہے کہ معاف کر دے لیکن وہ اپنے مخصوص لوگوں سے ان کا درجہ بڑھانے کے لیے یا کسی مصلحت سے سفارش کراتا ہے پھر سفارش قبول کرتا اور معاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اپنے جن بندوں کو بخشنا چاہے گا ان کی سفارش کروائے گا اور یہ بابِ

شفاعت سب سے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ کے لیے کھلے گا اور آپ ﷺ تمام انسانیت کی شفاعت اس وقت فرمائیں گے جب جنت ودوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا اور جنت والے جنت میں جانے کے منتظر ہوں گے اور اجازت کا انتظار ہوگا تو وہ ایک ایک نبی کے پاس جائیں گے، سب ہی عذر کریں گے بالآخر سرکار دو عالم ﷺ کے پاس آئیں گے اور آپ ﷺ کی سفارش سے سب اہل جنت جنت میں داخل کیے جائیں گے، یہ ''شفاعت کبریٰ'' کہلاتی ہے۔اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ رسالت کے باب میں بیان کی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، نہ روزی دینا کسی کے اختیار میں ہے نہ پانی برسانا، نہ اولاد دینا، نہ نفع نقصان پہنچانا، اور یہ جو بعض لوگ نبیوں، بزرگوں کے لیے یہ تصور رکھتے ہیں کہ ان کو قدرت تو ہے مگر وہ اللہ کے آگے اپنی قدرت کا اظہار نہیں کرتے اور اس کو خلاف ادب سمجھتے ہیں، اگر چاہیں تو ایک دم میں الٹ پلٹ کر دیں، حد ادب میں ایسا نہیں کرتے یہ سب مشرکانہ تصورات ہیں، اللہ فرماتا ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقاً مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئاً وَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ (النحل:۷۳)

(اور اللہ کے علاوہ وہ ایسوں کو پوجتے ہیں جو آسمانوں اور زمین

میں ان کے رزق کے کچھ بھی مالک نہیں اور نہ وہ ان کے بس میں ہے)۔

ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے پوری امت کو کہا جا رہا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذاً مِّنَ الظَّالِمِينَ﴾ (یونس:۱۰۶)

(اور اللہ کے علاوہ کسی ایسے کو مت پکارنا جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے بس اگر آپ نے ایسا کیا تو ضرور آپ ناانصافوں میں ہو جائیں گے)۔

ایسے قادر مطلق زبردست ذات کے ہوتے ہوئے کسی اور کو پکارنا کیسی ناانصافی اور بے وقوفی ہے۔ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس کو مثال سے بڑی اچھی طرح سمجھایا ہے اور جو لوگ مصائب کو دور کرنے یا کسی طرح کا نفع حاصل کرنے کے لیے غیر اللہ کا سہارا لیتے ہیں ان کی حماقت اور بے وقوفی کا نقشہ کھینچ دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"تمام مخلوق کو ایک ایسا آدمی سمجھو جس کے ہاتھ ایک نہایت عظیم و وسیع مملکت کے بادشاہ نے جس کی فرماں روائی عظیم ہے، اس کا غلبہ اور طاقت ناقابل قیاس ہے، باندھ دیے ہوں، پھر اس بادشاہ نے اس آدمی کے گلے میں پھندا ڈال دیا ہے، اور اس کے پیر بھی باندھ دیے، اس کے

بعد صنوبر کے ایک ایسے درخت پر لٹکا دیا ہے جو ایسی ندی
کے کنارے ہے جس کی موجیں زبردست، چوڑائی بہت،
گہرائی بے پناہ، جس کا بہاؤ نہایت تیز و تند ہے، اس کے
بعد بادشاہ خود ایک ایسی کرسی پر بیٹھ گیا ہے جو بڑی شاندار
اور بہت بلند ہے، اتنی کہ اس تک پہنچنے کا ارادہ کرنا اور پہنچنا
محال ہے، اس بادشاہ نے اپنے پہلو میں تیروں، نیزوں،
برچھیوں، بھالوں اور دیگر قسم کے ہتھیاروں اوراوزاروں
کا اتنا بڑا ذخیرہ رکھ لیا ہے کہ اس کی مقدار کا اندازہ نہیں لگایا
جاسکتا۔ اب جو شخص اس منظر کو دیکھے کیا اس کے لیے یہ
مناسب ہے کہ بادشاہ کی طرف دیکھنے کے بجائے، اس
سے ڈرنے اور امید لگانے کے بجائے، اس سولی پر لٹکے
ہوئے شخص سے ڈرے اور اس سے امید لگائے، جو شخص ایسا
کرے کیا وہ ہر ذی عقل کے نزدیک بے عقل، مجنون اور
انسان کے بجائے جانور کہلانے کا مستحق نہیں؟'' (۱)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُم مِّن
دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

(۱) تقویۃ الایمان: ۴۱

وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ☆ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ۞ (سبا:۲۲-۲۳)

(کہہ دیجیے کہ اللہ کے علاوہ تم جس کا دعویٰ کرتے ہو ان کو پکارو، وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی ساجھا ہے اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار ہے ☆ اور اس کے پاس اسی کی سفارش کام آئے گی جس کے لیے اس نے اجازت دی ہو، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا، وہ جواب دیتے ہیں کہ سچ ہی کہا اور وہ بلند ہے بڑا ہے)۔

ایک حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خطاب کر کے حقیقت توحید کا بیان فرمایا اور وضاحت فرمائی کہ کسی کو اختیار نہیں کہ کسی کو بغیر حکم الٰہی کے نفع ونقصان پہنچا سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "و عن ابن عباسؓ قال: كنت خلف النبي يوماً، فقال: يا غلام! إني أعلمك كلمات: احفظ الله يحفظك، احفظ الله تجده تجاهك، إذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيءٍ لم

ینفعوك إلا بشيءٍ قد كتبه الله تعالیٰ لك، وإن اجتمعت علی أن یضروك بشيءٍ لم یضروك بشيءٍ إلا قد كتبه الله علیك، رفعت الأقلام وجفت الصحف" (۱)

(اے بچے اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہیں یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھو تم اس کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب کچھ مانگو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ ہی سے مدد چاہو اور جان لو کہ اگر پوری امت اس بات پر ایک ہو جائے کہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا دے تو اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر پوری امت اس بات پر ایک ہو جائے کہ تمہیں کچھ بھی نقصان پہنچا دے تو اتنا ہی نقصان پہنچا سکتی ہے جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے)

اس حدیث میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بات بتا دی گئی کہ نفع نقصان کا اختیار کسی کو نہیں، یہ سب قدرت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ جو چاہے کرے۔

ان آیتوں اور حدیثوں سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ سب اختیار و تصرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، یہ اختیار کسی کو بھی نہیں کہ وہ جو چاہے کر ڈالے، اگر کوئی اپنی ضرورت اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے سامنے

---

(۱) سنن الترمذي: ۲۵۱٦

رکھتا ہے، نبی، ولی، پیر، امام، بزرگ کسی سے مانگتا ہے تو یہ شرک ہے البتہ دعا کرانا بہتر ہے، مگر یہ سمجھنا کہ اس میں ان کو اختیار کامل ہے، ان کی دعا قبول ہو ہی جائے گی، اللہ ان کی دعا رد کر ہی نہیں سکتا، یہ خیالات مشرکانہ ہیں، سب اللہ کے بندے ہیں، اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہیں، ہاں! اللہ اپنے خاص بندوں کی دعائیں اکثر قبول کرتا ہے۔ اسی طرح یہ مشرکانہ جملہ اچھے اچھے لوگوں کی زبان سے نکل جاتا ہے کہ حضرت تصرف فرما دیں تو کام ہو جائے۔ تصرف اللہ کا حق ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا، کسی کے بارے میں یہ تصور کہ یہ جو چاہیں گے ہو جائے گا، مشرکانہ تصور ہے اور عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔

توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کے ساتھ صفات الٰہی میں بھی توحید ضروری ہے، اس کے بغیر توحید کا عقیدہ ناقص ہے۔

فرشتوں پر ایمان

اللہ پر ایمان کے بعد قرآن مجید میں متعدد جگہ فرشتوں پر ایمان کا ذکر آتا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ﴾ (البقرة:٢٨٥)

(سب کے سب اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر)

فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہیں جو نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، اور نہ ان کو کوئی تقاضہ ہوتا ہے، اور نہ ان کو ان چیزوں کی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، ان کا کام صرف اللہ کا حکم بجالانا ہے، ان کی تعداد کا علم صرف اللہ کو ہے۔

ان میں وہ فرشتے بھی ہیں جن کو "حفظة" کہا گیا ہے، جن کا کام ہی انسانوں کی حفاظت ہے، دنیا میں ان کی بڑی تعداد ہے ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُم حَفَظَةً﴾ (الأنعام:٦١)

(اور وہ تم پر حفاظت کے فرشتے بھیجتا ہے)

ان میں "کراما کاتبین" بھی ہیں، جن کا کام بندوں کے اچھے، برے کاموں کو محفوظ کرنا ہے ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ☆ كِرَاماً كَاتِبِينَ ☆ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (انفطار ۱۰-۱۲)

(جبکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں، عزت دار لکھنے والے، وہ سب کچھ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو)

﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق:۱۸)

(جو بات بھی اس کے منہ سے نکلتی ہے تو اس کے پاس ہی ایک مستعد نگراں موجود رہتا ہے)

ان میں منکر نکیر بھی ہیں جو قبر میں آکر سوال کریں گے، ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے "ویأتیه ملكان فیجلسانه فیقولان له: من ربك؟ ...... الخ"(۱)

(یعنی اس شخص کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں، اور اس سے معلوم کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے)

البتہ بیہقی کی روایت میں صراحت کے ساتھ انہی دونوں فرشتوں کو منکر نکیر کے نام ہی سے ذکر کیا گیا ہے "فیأتیه منکر و نکیر الخ" (۲)

(۱) سنن أبی داؤد: ۴۷۵۵ (۲) شعب الایمان للبیهقی: ۳۹۵

(یعنی اس شخص کے پاس منکر ونکیر آتے ہیں)

ان میں وہ فرشتے بھی ہیں جو جنت، دوزخ پر مامور ہیں، ان میں جو جنت کے فرشتوں کے سردار ہیں، ان کا نام حدیثوں میں رضوان بتایا گیا ہے، "یارضوان افتح أبواب الجنان"(۱)

(اے رضوان! جنت کے دروازوں کو کھول دو)

اور داروغہ جہنم کا نام مالک ہے ﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ (زخرف:۷۷)

(اور وہ آواز دیں گے کہ اے مالک (داروغہ جہنم) تمہارا رب ہمارا کام ہی تمام کردے)

ان میں وہ عظیم المرتبت فرشتے بھی ہیں جن کو "حملة العرش" کہا گیا ہے، یہ عرش الٰہی کو تھامے ہوئے ہیں، سب ہی اللہ کی تحمید وتقدس میں لگے رہتے ہیں ﴿وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (الزمر:۷۵)

(اور آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کو ہر طرف سے گھیرے ہوں گے اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ حمد میں مشغول ہوں گے)

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ

(۱)شعب الایمان للبیهقی:۳۶۹۵

رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ (الغافر:۷)

(جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے آس پاس ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں)

﴿وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَلَا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الشوری:۵)

(اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں، سن لو اللہ ہی ہے جو بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)

یہاں یہ بات بھی صاف کردی گئی کہ مغفرت کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے، فرشتے صرف دعا کرتے ہیں، بخشش ان کے اختیار میں نہیں ہے۔

ان تمام فرشتوں میں چار فرشتے بہت عظیم المرتبت ہیں، ان میں بھی دو کا نام قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے، ایک ''حضرت جبرئیل علیہ السلام'' یہ تمام فرشتوں کے سردار ہیں، ان کا کام اللہ کے رسولوں کے پاس اللہ کی طرف سے وحی لانا، اور پیغام پہنچانا ہے، دوسرے جس فرشتے کا نام باقاعدہ قرآن مجید میں موجود ہے وہ ''حضرت میکائیل علیہ السلام'' ہے، جن کے ذمہ رزق کی تقسیم اور بارش ہے، ان دو کے علاوہ دو فرشتے اور

ہیں جن کا نام بار بار حدیثوں میں آتا ہے، ایک ''حضرت عزرائیل علیہ السلام'' جن کا کام روح قبض کرنا ہے، اور دوسرا ''حضرت اسرافیل علیہ السلام'' جو صور منھ میں لیے ہوئے قیامت کے منتظر ہیں، یہ سب فرشتے اللہ کے حکم کے پابند ہیں، یہ کوئی کام اپنی طرف سے نہ کرتے ہیں، نہ کرسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر نافرمانی کی صلاحیت ہی نہیں رکھی۔

اسلام کی تعلیم ان فرشتوں کے سلسلہ میں یہی ہے کہ ان کو معصوم سمجھا جائے، البتہ ان کی معصومیت اختیاری نہیں، بلکہ اضطراری ہے، یہ حکم الٰہی سے بال برابر سرتابی نہیں کرسکتے، دنیا کی قومیں فرشتوں کے سلسلہ میں بھی گمراہی کا شکار ہوئیں، بہت سوں نے ان کو خدائی میں شریک سمجھ لیا، مشرکین مکہ نے ان کو خدا کی بیٹیاں بنایا، اللہ تعالیٰ ان کو عار دلاتے ہوئے فرماتا ہے، کہ خود تو بیٹی کو باعث ننگ سمجھتے ہیں، اور خدا کے لیے ان کو بیٹیاں ہی ملیں، ارشاد ہوتا ہے ﴿أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ۔ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ☆ أَلَا إِنَّهُم مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ۔ وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ☆ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ☆ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ (الصافات: ١٤٩ - ١٥٤)

(ان کے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیں، یا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا اور وہ دیکھ رہے تھے، اچھی طرح سن لو وہ جی

میں گڑھ گڑھ کر کہتے ہیں، کہ اللہ کے یہاں اولاد ہوئی اور یقیناً وہ جھوٹے ہی ہیں، کیا اس نے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیاں اختیار کیں، تمھیں ہوا کیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو)

ایک جگہ فرمایا ﴿أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثاً إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلاً عَظِيماً﴾ (بنی اسرائیل ۴۰)

(پھر کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹے چن کر دیئے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟! یقیناً تم بہت بڑی بات کہتے ہو)

مزید فرمایا ﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثاً أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ﴾ (زخرف:۱۹)

(اور انھوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں قرار دیا، کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے)

سورہ انبیاء میں بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ☆ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ☆ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ☆ وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّن دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ (الأنبياء:۲۶-۲۹)

(اور وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا تجویز کرلیا، اس کی ذات پاک ہے، ہاں (وہ اس کے) باعزت بندے ہیں، وہ اس سے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں، ان کے آگے پیچھے جو کچھ ہے وہ سب جانتا ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر ہاں جس کے لیے اسی کی مرضی ہو اور وہ اس کے ڈر سے کانپتے رہتے ہیں، اور ان میں جو یہ کہے کہ اس کے سوا میں معبود ہوں تو اس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ظالموں کو ایسے ہی سزا دیا کرتے ہیں)

اسی طرح یہود و نصاری اور دنیا کی بعض دوسری قومیں بھی فرشتوں کے سلسلہ میں انتہاء پسندی کا شکار تھیں، اور ان کو خدائی میں شریک کرتی تھیں، اسلام نے کھل کر اس کی نفی کی، اور صاف کر دیا کہ یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں، بندگی صرف اسی الہ واحد کی ہوگی، ذیل کی آیتوں میں اس کی صراحت ہے ﴿وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۸۰)

(اور نہ وہ تم سے یہ کہے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو کیا وہ تمہیں مسلمان ہونے کے بعد کفر کے لیے کہے گا)

﴿وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾ (النجم: ۲۶)

(اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں ان کی بھی سفارش ذرا فائدہ نہیں پہنچاتی البتہ اس کے بعد ہی (کام آسکتی ہے) کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت دیدے اور (اس سے) راضی ہو جائے)

دوسری طرف یہودیوں کی طرف سے بعض فرشتوں کو متہم بھی کیا گیا، اور ان کو من مانی کرنے والا قرار دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس حال کی بھی نفی فرمائی اور صاف کہا: ﴿مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ﴾

(البقرة:٩٨)

(جو کوئی دشمن ہوا اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا تو یقیناً اللہ بھی انکار کرنے والوں کا دشمن ہے)

اسلام نے فرشتوں کے بارے میں یہ متوازن عقیدہ دیا کہ سب اللہ کی مخلوق ہیں، اور اس کے پوری طرح فرمانبردار اور اس کی بندگی میں ہمہ وقت مشغول رہنے والے ہیں، سرِ مو اس سے انحراف نہ کرتے ہیں، نہ کر سکتے ہیں، نہ وہ خدائی میں شریک ہیں اور نہ خدا کے نافرمان ہیں، بلکہ یہ نظام عالم میں اللہ کے قاصد ہیں، "مَلَكٌ" کے معنی ہی قاصد کے آتے ہیں، ملائکہ اس کی جمع ہے، ان کا کام ہی اللہ کے حکموں کو نافذ کرنا ہے اللہ تعالیٰ ان کو جو القاء کرتا ہے وہ بے اختیار محکوم کی طرح اس کو

مخلوقات میں جاری کرتے ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سب سے افضل بنایا، یہاں تک کہ فرشتوں پر بھی اس کو فضیلت دی، اس کو مسجود الملائکہ بنایا، اس کی وجہ یہی ہے کہ فرشتوں کی معصومیت اضطراری ہے، اس میں ان کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں، جب کہ انسان کی معصومیت اختیاری ہے، انبیاء علیہم السلام کو معصوم بنایا گیا ہے، ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کی چاہتا ہے حفاظت فرماتا ہے، مگر چونکہ اس میں انسان کے ارادہ و اختیار کا حصہ ہوتا ہے، اس لیے یہ اس کی بڑی فضیلت کی بات ہے وہ غلطی کر سکتا ہے، ٹھوکر کھا سکتا ہے، مگر اپنی حفاظت کرتا ہے، غلطی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، یہ چیز اس کو بلندی پر لے جاتی ہے، فرشتوں میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے، مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر انسان فرشتوں سے افضل ہے، انسانوں میں جو مکمل انسان ہیں، جنہوں نے اپنی انسانیت پر بہیمیت کے داغ دھبے نہیں لگائے اور اگر کبھی کوئی نکتہ لگ بھی گیا تو فوراً اس کو انہوں نے دھو دیا، یہ انسان فرشتوں سے افضل ہیں، جن میں سرفہرست انبیاء علیہم السلام ہیں، اور جو انسان انسانیت کو فراموش کر دے، اپنے پیدا کرنے والے ہی کو بھول جائے، تو وہ جانوروں میں شامل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أُولَـٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ

أَضَل﴾ (الأعراف:١٧٩)

(وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے گئے گذرے ہیں)

ایسے انسان تو جانوروں سے بدتر ہیں، فرشتوں سے ان کو کیا نسبت، وہ تو حقیقت میں انسان کہلانے کے بھی مستحق نہیں۔

اللہ کی کتابوں پر ایمان

تکمیل ایمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کتابوں کو تسلیم کیا جائے، جو اللہ نے نازل کی ہیں، اس کو ایمان بالکتب کہتے ہیں، یہ ایمان اجمالی بھی ہے، اور تفصیلی بھی، اجمالی اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی پر بھی کتابیں نازل فرمائیں، ہم ان سب کتابوں کو مانتے ہیں، پھر ان میں اللہ نے جن انبیاء کا تذکرہ اس سلسلہ میں بطور خاص فرمایا ہے ان کو ماننا کہ ان سب پر اللہ نے کتابیں نازل کی ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران ۸٤)

(آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم واسمٰعیل اور اسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے دیا

گیا، ہم ان میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ) کے فرماں بردار ہیں)۔

سورہ بقرہ میں تمام امت کو خطاب کر کے یہی بات فرمائی گئی ہے ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (البقرہ ١٣٦)

(تم کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر جو ابراہیم و اسمٰعیل اور اسحٰق و یعقوب اور اولاد (یعقوب) پر اتارا گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں)

سورہ نساء میں ایمان لانے کے حکم کے ساتھ انکار کو کفر قرار دیا گیا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾

(النساء ١٣٦)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری یقین پیدا کرو اور جس نے اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کو نہ مانا وہ دور جا بھٹکا)

نام کی وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں چار کتابوں کا تذکرہ ہے، قرآن مجید کے علاوہ ''تورات'' جو موسیٰ علیہ السلام پر اتری، ''زبور'' جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، اور ''انجیل'' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی، ان کے علاوہ ''صحف ابراہیم'' کا بھی تذکرہ ہے، اور ایک جگہ تورات کو صحف موسیٰ بھی کہا گیا ہے، اس کے علاوہ اجمالی طور پر ''صحف اولی'' (گذشتہ صحیفے) اور ''زبر الأولین'' (پہلوں کی کتابیں) کا بھی تذکرہ ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان سب کتابوں پر ایمان لایا جائے، اور ان کو اللہ کی کتابیں سمجھا جائے، اس کے بغیر کوئی مسلمان، مسلمان نہیں ہوسکتا۔

اللہ کی کتابوں پر اس اجمالی عقیدہ کے ساتھ اللہ کی آخری اور مکمل کتاب قرآن مجید پر تفصیلی ایمان ضروری ہے، کہ اس کا ایک ایک حرف اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے، اور وہ ٹھیک اترا بھی ہے ﴿وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ (الاسراء:۱۰۵)

(اور ٹھیک ٹھیک ہم نے اسے اتارا ہے اور ٹھیک ٹھیک ہی وہ اترا بھی ہے)

اللہ نے دونوں باتیں ارشاد فرمادیں، پھر تیسری بات جس کا یقین ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تنہا یہ وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر:۹)

(ہم ہی نے اس نصیحت (نامہ) کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

اسی کتاب کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی نہیں ہے، جس کے ماننے والوں کو یہ دعویٰ ہو کہ یہ کتاب پوری طرح محفوظ ہے، ہر کتاب بدل چکی اور انسانی ہاتھوں نے بے دردی کے ساتھ ان پر جراحی کا عمل کیا، اور اپنے اپنے فہم اور ضرورتوں کے اعتبار سے ان میں تبدیلیاں کرتے رہے، اور کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اس زبان میں موجود ہو جس زبان میں اس کو اللہ کی طرف سے اتارا گیا، وہ صرف اور صرف قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ اس کو عربی زبان میں جس طرح اتارا گیا تھا وہ اسی طرح سے محفوظ ہے، اور قیامت تک محفوظ رہے گی، اگر وہ بدلے گی تو دنیا ہی نہ رہے گی، اور سب کچھ بدل جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ

وَقُرْآنَہٗ☆فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَہٗ☆ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَہٗ﴾

(القیامۃ۱۷-۱۹)

(اس کو محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، پھر جب ہم (جبرئیل کی زبانی) اس کو پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ رہیں، پھر اس کی وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے)

مزید ارشاد ہے﴿وَإِنَّہٗ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ☆لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

(حم السجدہ۴۱-۴۲)

(اور وہ تو ایک بلند مرتبہ کتاب ہے، اس پر جھوٹ کا گزر نہیں سامنے سے نہ پیچھے سے، اس ذات کی طرف سے اتاری گئی ہے جو حکمت رکھنے والی قابل ستائش ہے)

ایک مسلمان کے لیے جن چیزوں پر ایمان ضروری ہے ان میں اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا ہے، اور خاص طور پر قرآن مجید کے بارے میں تین باتوں کا یقین کرنا اور اس کو تسلیم کرنا ایک یہ کہ وہ اللہ کی طرف سے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گئی، دوسرے یہ کہ ٹھیک اسی طرح اترا جس طرح اتارا گیا، اور تیسرے یہ کہ قیامت تک اس میں کوئی تحریف نہیں ہوسکتی، وہ جس طرح اترا ہے اسی طرح قیامت تک باقی رہے گا۔

رسولوں پر ایمان

رسالت کے معنی بھیجنے کے ہیں اور اصطلاح میں رسالت پیغمبروں کے بھیجے جانے کو کہتے ہیں، اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ پیغمبروں کو آسمان سے اتارا گیا ہے، اللہ کا نظام یہ رہا ہے کہ اس نے انسانوں ہی میں سے کسی کسی کا اس کام کے لیے انتخاب فرمایا ہے اور عام طور پر جس قوم کی اصلاح مقصود ہوئی، اسی قوم میں سے کسی کا انتخاب ہوا اور نبوت کے لیے اللہ نے اس کو چن لیا، قرآن مجید میں اس کا جا بجا ذکر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کا انتخاب اسی قوم میں سے فرمایا جس قوم میں نبی کو بھیجنا تھا۔

ہر زمانے میں اور ہر قوم میں نبی آئے، اللہ نے فرمایا: ﴿وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ (الفاطر: ۲٤)

(اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو)

حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ سے یہ سلسلہ چلا اور چلتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا، ان تمام پیغمبروں کے

سلسلے میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب اللہ کے بھیجے ہوئے بندے تھے جن کو اللہ نے منتخب فرمایا اور اپنا پسندیدہ بنایا، یہ سب معصوم ہیں اور وہی کہتے اور کرتے ہیں جو ان کو اللہ کی طرف سے حکم ملتا ہے، یہ احکامات ان کے پاس عام طور پر فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیلؑ ذریعہ سے آتے ہیں اور بہت سی باتیں اللہ تعالیٰ براہ راست ان کے دل میں ڈال دیتا ہے یا ان کو خواب کے ذریعہ سے بتاتا ہے، ان میں سے متعدد رسولوں کا تذکرہ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ان سب کو نبی/رسول ماننا ضروری ہے، جو ان کو رسول نہ مانے وہ مسلمان نہیں، ان میں پانچ اولعزم پیغمبر ہیں: (۱) حضرت نوح علیہ السلام، (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام، (۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام، (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور (۵) سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سورہ بقرہ کے اخیر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے بارے میں نقل کیا جارہا ہے ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ (البقرة:۲۸۵)

(جو کچھ رسول پر ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا رسول بھی اس پر

ایمان لائے اور مسلمان بھی، سب کے سب اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں (ایمان کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے اور انھوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب ہم تیری مغفرت کے طلبگار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے)

اس میں بات صاف کردی گئی کہ ایمان لانے کے سلسلہ میں کسی بھی نبی یا رسول کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہوگا، تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا ایمان کی شرائط میں سے ہے، البتہ ان میں فرق مراتب ہے، اللہ نے ان میں بعض کو بعض پر بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے، ارشاد ربانی ہے ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (البقرة:۲۵۳)

(یہ وہ رسول ہیں جن میں بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی، ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعضوں کے درجات بڑھائے)

عقیدۂ رسالت

رسولوں میں آخری رسول ﷺ جن کی امت میں ہم کو پیدا کیا گیا ہے سب نبیوں کے سردار ہیں، آنحضور ﷺ کی رسالت پوری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے، آپ ﷺ پر وحی الٰہی کا سلسلہ مکمل ہو

چکا، اب کسی پر وحی نہیں آسکتی، اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس پر وحی آتی ہے یا اس کا الہام وحی کے درجہ کا ہے اور اس کی اتباع ضروری ہے تو وہ جھوٹا اور گمراہ کرنے والا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مندرجہ ذیل عقائد رکھنا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے اور یہ سب باتیں عقیدۂ رسالت میں شامل ہیں، ان کے بغیر رسالت کا عقیدہ درست اور مکمل نہیں ہوسکتا۔

اللہ کے بندے اور رسول

(۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں۔

(۲) اور اللہ کے رسول ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت اور تاکید فرمائی ہے: "إنما أنا عبد الله و رسوله فقولوا عبد الله و رسوله" (أحمد: ۳۹۷، بخاری: ۳۲۶۱) (یقیناً میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، تو تم مانو اور کہو کہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے جو لفظ استعمال فرمایا، وہ عبد کا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی﴾ (بنی اسرائیل: ۱)

(وہ ذات پاک ہے، جو راتوں رات لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف)

اس کے علاوہ بھی متعدد جگہ آنحضور ﷺ کے لیے قرآن مجید میں عبد کا لفظ استعمال ہوا، ایک جگہ ارشاد ہوا ﴿فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾ (النجم: ۱۰)

(پھر اللہ نے اپنے بندہ پر جو وحی کرنی تھی وہ اس نے کی)

دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ (الجن: ۱۹)

(اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اس کو پکارتا ہے تو وہ اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگا لیتے ہیں) ایک جگہ فرمایا ﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا﴾ (البقرة: ۲۳)

(اور اگر تم اس چیز کے بارے میں ذرا بھی شبہ میں ہو جس کو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے)

رسالت سے پہلے عبودیت کا ذکر خود حضور ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ بندگی جتنی مکمل ہوگی انسان اتنا ہی کامل ہوگا، آپ ﷺ کو جو کمال بندگی حاصل تھا وہ کسی کو نہ حاصل ہوا اور نہ ہو سکے گا، اسی لیے جو مقام و مرتبہ آپ ﷺ کو حاصل ہے وہ کسی کو نہ حاصل ہوا اور نہ ہو سکے گا۔

نبیوں کے سردار

(۴) آپ ﷺ سید المرسلین ہیں، تمام رسولوں کے سردار و امام

ہیں، ایک صحیح حدیث میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "أنا سيد ولد آدم يوم القيامة و أول من ينشق عنه القبر و أول شافع و أول مشفع" (۱)

(میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں اور سب سے پہلے قبر سے مجھے ہی نکالا جائے گا اور سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی)۔

ایک روایت میں ارشاد ہے "أنا سيد الناس يوم القيامة" (۲)

"میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا"۔

البتہ کنز العمال کی روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں "أنا سيد المرسلين اذا بعثوا" (۳)

"میں قیامت کے دن تمام نبیوں کا سردار ہوں گا"۔

سب سے بڑھ کر اللہ کے محبوب

(۴) کل جہانوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو سب سے بڑھ کر محبوب ہیں، کسی کو بھی یہ مقام محبت حاصل نہیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، حدیث میں آیا ہے: ایک مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتیازی صفات کا ذکر آیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں فرمایا "و أنا حبيب الله

(۱) صحيح البخاري: ۷۹، (۲) مسلم: ۵۰۱۰، (۳) كنز العمال: ۳۲۰۴۳

ولا فخر، أنا حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر، وأنا أول شافع وأول مشفع يوم القيامة ولا فخر، وأنا أول من يحرك حلق الجنة فيفتح الله لي فيدخلنيها ومعي فقراء المؤمنين ولافخر، وأنا أكرم الأولين والآخرين ولا فخر"(۱)

(اور میں اللہ کا محبوب ہوں، اور قیامت کے دن لوائے حمد میرے ہی پاس ہوگا، اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا، اور میری شفاعت ہی سب سے پہلے قبول ہوگی، اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلواؤں گا، تو وہ میرے لیے کھولا جائے گا، تو میں اس میں داخل ہوں گا، اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے، اور مجھے ہی اولین وآخرین میں سب سے بڑھ کر عزت ملی ہے، اور میں یہ سب بطور فخر کے نہیں کہتا بلکہ یہ ایک حقیقت کا اظہار ہے)

مقام محبت خاص کے ساتھ اللہ نے آپ کو مقام خلت بھی عطا فرمایا، ایک حدیث میں آتا ہے"إن اللّٰه تعالیٰ قد اتخذني خليلاً كما اتخذ إبراهيم خليلاً" (۲)

(جس طرح اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اسی طرح مجھے بھی خلیل بنایا) اس طرح اللہ نے آنحضور ﷺ کو مقام خلت عطا فرمایا، جو حضرت ابراہیم کو عطا کیا گیا تھا، وراس کے ساتھ محبت خاص کا وہ مقام

(۱) ترمذی: ۳۹۷۶ (۲) مسلم: ۱۲۱۶

بھی دیا جو آپ ﷺ کا امتیاز ہے۔

آخری رسول

(۵) آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، سلسلۂ نبوت کو آپ ﷺ پر مکمل کر دیا گیا، اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (الأحزاب: ٤٠)

(البتہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں)، حدیث صحیح میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إن لی أسماء أنا محمد و أنا احمد و أنا الماحي يمحو الله بي الكفر و أنا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي و أنا العاقب و العاقب الذي ليس بعده أحد"(۱)

(میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، اور میں ماحی ہوں، اللہ تعالی میرے ذریعہ کفر کو مٹاتا ہے، اور میں حاشر ہوں میرے (نقش) قدم پہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور میں عاقب ہوں ایسا عاقب کہ اب میرے بعد کوئی نہیں)

تمام جہانوں کے رسول

(۶) آپ ﷺ کی بعثت تمام انسانوں اور جناتوں کے لیے ہے،

---

(۱) مسلم: ٦٢٥٢

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً﴾ (سبا:۲۸)

(اور ہم نے آپ کو تمام ہی لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے)

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾

(الاعراف:۱۵۸)

(کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر ہوں)

﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ﴾

(الانعام:۱۹)

(اور اس قرآن کی وحی مجھ پر اسی لیے کی گئی تاکہ اس کے ذریعہ میں تمھیں اور جس تک یہ پہنچے اسے خبردار کروں)

ایک حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "كان النبي يبعث إلىٰ قومه خاصة و بعثت إلىٰ الناس عامة" (۱)

(نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کے لیے بھیجا گیا)۔

دوسری حدیث میں آتا ہے: "و الذي نفس محمد بيده، لا

---

(۱) بخاري:۳۲۸

يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي و لا نصراني، ثم يموتوا و لم يؤمن بالذي ارسلت به، إلا كان من اصحاب النار" (۱)

(اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، میری اس امت میں سے کوئی بھی شخص میرے بارے میں سنے چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو، پھر وہ اس پر ایمان نہ لائے جو میں لے کر آیا ہوں اور اسی حال میں مر جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا)۔

آنحضور ﷺ کی رسالت کا دائرہ صرف انسانوں اور جناتوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ آپ تمام جہانوں کے نبی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وما أرسلناك الا رحمة للعالمين﴾ (الأنبياء: ۱۰۷)

(اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

سب کے مطاع

(۷) آنحضور ﷺ واجب الاطاعت ہیں، آپ ﷺ کی اطاعت کو لازم سمجھنا ایمان بالرسالۃ کا اہم حصہ ہے، اس کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک آپ کی پیروی کو ضروری نہ سمجھے، یہاں یہ بات صاف کر دینا بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو ضروری سمجھنا یہ ایمان کا جزء ہے اور اس کا تعلق عقیدہ سے ہے اور اگر کوئی اس کو

---

(۱) مسلم: ۴۰۳

نہیں مانتا تو وہ ایمان سے باہر ہے اور اگر کوئی عقیدہ کے اعتبار سے اطاعت کو ضروری تو سمجھتا ہے لیکن عمل میں کوتاہی اور غفلت ہو جاتی ہے تو وہ شخص کافر نہیں ہوگا، فاسق و گنہگار کہلائے گا۔

قرآن مجید میں بیسیوں جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کو عین ایمان قرار دیا گیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِيْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً﴾ (النساء:٦٥)

(بس نہیں آپ کے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں)

ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (الانفال:١)

(اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر تم واقعی ایمان والے ہو)

ایک جگہ فرمایا ﴿قُلْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ فإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران:٣٢)

(آپ کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی بات مانو پھر اگر وہ منہ پھیر لیں

تو اللہ انکار کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)، صاف صاف اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی نہیں مانتا اور منہ پھیرتا ہے تو وہ کافر ہے، ایک جگہ مخالفت کرنے والوں کو سخت انجام سے ڈرایا گیا ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الانفال:۱۳)

(اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے تو بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بھی صراحت فرمادی کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اگر قرآن مجید میں کوئی حکم ظاہری طور پر نظر نہ آرہا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات فرمائی ہو تو وہ اللہ ہی کی طرف سے سمجھی جائے گی اور اس کو ماننا ضروری ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

(جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔

بشریت

(۸) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، قرآن مجید میں کئی جگہ اس کی صراحت ہے، سورہ کہف کی آخری آیت میں ارشاد ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾ (الکہف: ۱۱۰)

(کہہ دیجیے کہ میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں، میرے پاس

یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے)

سورہ حم سجدہ میں بھی یہی الفاظ ہیں ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾ (حم سجدہ:٦)

(کہہ دیجیے یقیناً میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں (میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود تو صرف ایک معبود ہے)۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشرکین مکہ کو اعتراض ہوا کہ یہ کیسے رسول ہیں؟! ان کے اندر تو وہی صفات اور وہی تقاضے ہیں جو ایک انسان میں ہوتے ہیں، قرآن مجید نے ان کا یہ اعتراض نقل کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا﴾

(الفرقان:٧)

(اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے رسول ہیں؟! کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، کوئی فرشتہ ان کے ساتھ کیوں نہیں اتار دیا گیا کہ وہ ان کے ساتھ ڈرانے کو رہتا)۔

پھر آگے اس کا جواب بھی دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾ (الفرقان:٢٠)

(اور آپ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہی تھے)۔

سورہ بنی اسرائیل میں اور وضاحت کے ساتھ یہی بات کہی گئی ہے، پہلے مشرکین مکہ کے مطالبات کا بیان ہے، قرآن مجید ان کو نقل کر رہا ہے: ﴿وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعاً☆أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلالَهَا تَفْجِيراً☆ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاء كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفاً أَوْ تَأْتِيَ بِاللّهِ وَالْمَلآئِكَةِ قَبِيلاً☆أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاء وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَاباً نَّقْرَؤُهُ﴾ (بنی اسرائیل: ۹۰-۹۳)

(اور وہ بولے کہ ہم تو اس وقت تک آپ کو ماننے والے نہیں جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردیں ☆ یا آپ کے لیے کھجور اور انگور کا باغ ہو پھر آپ اس کے بیچ سے نہریں نکال دیں ☆ یا جیسا کہ آپ کا خیال ہے آپ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں یا اللہ کو اور فرشتوں کو نگاہوں کے سامنے لے آئیں ☆ یا سونے کا آپ کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کو بھی اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک آپ کوئی ایسی کتاب لے کر نہ

اتریں جس کو ہم پڑھ سکیں)

پھر اسی آیت کے آخر میں آنحضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَراً رَّسُولاً﴾

(بنی اسرائیل:۹۳)

(فرمادیجیے! میرے رب کی ذات پاک ہے، میں کیا ہوں- ایک انسان ہوں جسے رسول بنایا گیا ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُواْ إِذْ جَاءهُمُ الْهُدَى إِلَّا أَن قَالُواْ أَبَعَثَ اللّهُ بَشَراً رَّسُولاً﴾

(بنی اسرائیل:۹۴)

(اور لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد مان لینے سے صرف یہی چیز مانع بنتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا دیا؟!)

پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ بھی بات صاف کردی کہ رسول اگر فرشتوں کی ہدایت کے لیے آتا تو یقیناً فرشتہ ہوتا لیکن یہ رسول تو انسانوں کی ہدایت کے لیے آتا ہے، تو اسکو فرشتہ کیسے بنایا جاتا، ارشاد ہوتا ہے: ﴿قُل لَّوْ كَانَ فِي الأَرْضِ مَلآئِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكاً رَّسُولاً﴾ (بنی اسرائیل:۹۵)

(آپ کہہ دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو آرام سے چل پھر

رہے ہوتے تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر اتار دیتے)۔

یہ بات انسان کی نفسیات میں اللہ نے رکھی ہے کہ وہ اپنے جنس ہی کی اتباع کر سکتا ہے اور چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنایا گیا، جیسا کہ اعلان ربانی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب: ۲۱) (یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ موجود ہے)

اس لیے اللہ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بنایا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام انسانیت کے لیے نمونہ ہو، یہ اسوۂ حسنہ کاملہ ہے جو تنہا نجات کا راستہ ہے۔

عصمت

(۹) نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں، اس کے نزدیک یہ تمام انبیاء و مرسلین کا مشترک وصف ہے، کیونکہ گناہ گار گناہگاروں کی رہنمائی کا مستحق نہیں اور اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، اسی بناء پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و تعلیم نے خدا کے تمام معصوموں کی عظمت وجلالت دنیا میں قائم کی۔(۱)

---

(۱) سیرۃ النبی، ج رچہارم: ۴۳۵، طبع جدید، دار المصنفین

تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ کی بعثت تمام دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے، آپ ﷺ کے بارے میں معصوم ہونے کا عقیدہ رکھنا عقیدۂ رسالت کا اہم ترین جزء ہے، جس کے بغیر ایمان معتبر ہی نہیں۔

ہر نبی یقیناً انسانوں ہی میں آیا ہے، اور آنحضور ﷺ بھی بشر ہی ہیں، لیکن انسانوں سے بلند و پاک اور معصوم، ایک طرف آپ ﷺ کھاتے پیتے ہیں، آپ ﷺ نے شادیاں فرمائی ہیں، انسانی خصوصیات اور تقاضے آپ ﷺ کی زندگی میں نظر آتے ہیں، تو دوسری طرف اپنی روحانیت، معصومیت اور خصوصیات نبوت کے اعتبار سے انسانوں سے بلندتر ہیں، یہ خصوصیات کسی کو حاصل نہیں ہوسکتیں۔

اسلام کی یہ وہ معتدل تعلیم ہے، جس نے رسول کو نہ خدا، نہ دیوتا، نہ فرشتہ، نہ خدا کا بیٹا قرار دیا، اور نہ عام انسانوں جیسا انسان قرار دیا، بلکہ انسانوں میں ایک ایسا انسان قرار دیا جس کی روحانیت و اخلاق کی سطح انسانوں سے بہت بلند ہوتی ہے اور وہ عام انسانوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔

آنحضور ﷺ کے بارے میں ان عقائد کا رکھنا ہر ایمان والے کے لیے لازم ہے، اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عظمت بھی دل میں سب سے بڑھ کر ہو، اور محبت بھی سب سے بڑھ کر ہو، اس کو ایمان کی

علامت قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے ﴿النبی أولی بالمومنین من أنفسهم﴾ (الأحزاب:٦)

(نبی کا مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق ہے) اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده وولده والناس أجمعین" (١)

"تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"

شفاعت

شفاعت ایک عظیم تحفہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے محبوب اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو عطا فرمایا ہے، اس کے ذریعہ سے نہ جانے کتنی بڑی تعداد میں وہ لوگ جہنم سے چھٹکارا پائیں گے جو اس کے مستحق ہو چکے تھے، مگر اس کے بارے میں چند وضاحتیں ضروری ہیں اس لیے کہ آج اس کا بہت غلط تصور امت میں پیدا ہوگیا ہے، اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ چاہے یا نہ چاہے امت کو بخشوا ہی لیں گے، اور ایک طبقہ یہاں تک کہنے لگا ہے کہ

(١) صحیح البخاری: ١٥

کچھ کرو یا نہ کرو اللہ کے رسول ﷺ سے محبت رکھو، یہ بخشش کے لیے کافی ہے، یہ خالص مشرکانہ تصور ہے، اول تو جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ محبت کا صرف نام لیتے ہیں، محبت ان کے دل میں نہیں ہوتی، ورنہ حقیقت میں محبت کرنے والا محبوب کی بات بھی مانتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"من أحيا سنتي فقد أحبني ومن أحبني كان معي في الجنة" (۱)

(جو میری سنت کا احیاء کرے گا، وہ مجھے چاہے گا، اور جو مجھے چاہے گا تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا)

اس طرح آپ ﷺ نے ایک تھرمامیٹر دے دیا اس سے ہر مومن آپ ﷺ سے محبت کو جانچ سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر شفاعت کی وضاحت کردی گئی ہے، کہ کوئی بھی شفاعت اپنے اختیار سے نہیں کرسکتا، جو بھی کرے گا وہ اللہ کے حکم اور اس کی اجازت ہی سے سفارش کرسکے گا، اللہ فرماتا ہے﴿مَن ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾

(البقرة:۲۵۵)

(کون ہے جو بغیر اس کی اجازت کے اس کے پاس سفارش کرسکے)

---

(۱) سنن الترمذی:۲۸۹۴

دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَا یَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾ (الأنبياء:٢٨)

(اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر ہاں جس کے لیے اسی کی مرضی ہو اور وہ اس کے ڈر سے کانپتے رہتے ہیں)

شفاعت کا تمام حق اصلاً اللہ ہی کے پاس ہوگا ارشاد ہوتا ہے ﴿قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعاً لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (الزمر:٤٤)

(بتا دیجیے کہ ساری سفارش اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے) بغیر اس کی اجازت کے کسی کو اس کے سامنے بولنے کا بھی حق نہ ہوگا ﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفّاً لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَاباً﴾ (النبأ:٣٨)

(جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، وہ بول نہ سکیں گے سوائے اس کے جس کو رحمٰن اجازت دے اور وہ ٹھیک بولے)

اللہ یہ شفاعت سب سے بڑھ کر اپنے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائیں گے، قیامت کے دن خاص طور پر آپ کی شفاعت عامہ سے سارے انسان فائدہ اٹھائیں گے، اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو کوئی نہ کوئی ایسی دعا دی گئی ہے جس کو قبول ہونا ہی ہے، میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لیے چھپا رکھا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب فی المشیئة والارادة)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سلسلہ میں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی متعدد صورتیں ہوں گی، سب سے پہلی صورت جو شفاعت عامہ کی شکل میں ظاہر ہوگی، اس کا تذکرہ احادیث صحیح میں بکثرت آیا ہے۔

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابرؓ بن عبد اللہ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ "قیامت کے ہول ناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے، اور کہیں گے کہ "آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا، خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے"، وہ جواب دیں گے کہ "میرا یہ رتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ

غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا، نفسی نفسی!

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور کہیں گے کہ ''آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے، وہ کہیں گے کہ ''ہمارا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا، وہ اپنی قوم کی تباہی کے لیے مانگ چکا، نفسی نفسی!!

تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ'' مخلوق ان کے پاس جائے گی، اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ ''آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اپنے پرودرگار سے شفاعت کیجئے'' وہ بھی کہیں گے ''میرا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، نفسی نفسی!! تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ''

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور کہیں گے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا نے اپنے پیغام و کلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی

ہے، اپنے خدا سے ہمارے لیے سفارش کیجئے، کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے؟'' حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ: ''آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا، اور نہ ہوگا، میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، نفسی نفسی!!

تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ ''اے عیسیٰؑ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گود میں کلام کیا، اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے، وہ بھی کہیں گے ''یہ میرا رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا، نفسی نفسی!!

تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ'' مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئے گی، اور کہے گی ''اے محمد ﷺ! آپ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں، آپ ﷺ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے''۔ آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اذن طلب کریں گے، اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں

گے، آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا، جو کسی اور کے لیے نہیں کھولا گیا، اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہ ہوئے، آپ ﷺ دیر تک سر بہ سجود رہیں گے، پھر آواز آئے گی، "اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی"۔ عرض کریں گے "الٰہی! امتی امتی! خداوندا میری امت، میری امت"، حکم ہوگا "جاؤ، جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے"۔ آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے، اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد وثناء کر کے عرض پرداز ہوں گے، اور سجدہ میں گر پڑیں گے، پھر صدائے غیب آئے گی کہ "اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی"۔(۱)

آپ کی سفارش سے راستے کھل جائیں گے، اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔

آپ ﷺ کی دوسری سفارش پل صراط پر گزرتے وقت ہوگی اس

(۱) مأخوذ از: سیرۃ النبی، ج:۳

کا تذکرہ روایت میں آتا ہے، اس وقت تمام انبیاء وصالحین اور مومنین کا شعار یہی ہوگا کہ "رب سلم، رب سلم" کا ورد کر رہے ہوں گے، یہ متفق علیہ روایت ہے، آپ ﷺ کی اس دعا اور سفارش سے نہ جانے کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، پھر تیسری صورت شفاعت کی یہ ہوگی کہ جہنم میں جانے کے بعد آپ ﷺ امت کے اہل ایمان کی سفارش فرمائیں گے، یہ سفارش مرحلہ وار ہوگی، ب سے پہلے آپ ﷺ کی سفارش سے بڑی تعداد میں لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے، پھر اسی طرح دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ بھی یہاں تک کہ رائی کے برابر بھی اگر دل میں ایمان ہے تو وہ آپ کی شفاعت سے جہنم سے نکالا جائے گا، مختلف صحیح روایات میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

شفاعت کی ایک قسم وہ بھی ہے جس میں آپ ﷺ بعض ان اہل شرک وکفر کو جہنم کی گہرائی سے ہلکے عذاب میں لانے کی سفارش فرمائیں گے اور وہ سفارش قبول ہوگی۔

عن عبد الله بن الحارث قال: سمعت العباس يقول: قلت يا رسول الله! ان أبا طالب كان يحوطك وينصرك فهل نفعه ذلك، قال: نعم وجدته في غمرات من النار فأخرجته الى

ضحضاح. (۱) حضرت عبداللہ بن حارثؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس کو فرماتے ہوئے سنا، کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت فرمایا: ابوطالب آپ کی بہت حمایت ونصرت میں رہتے تھے، کیا ان کو اس کا کچھ فائدہ حاصل ہوا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، میں نے ان کو جہنم کی گہرائی میں پایا تو میں ان کو اس گہرائی سے اوپری سطح تک لے آیا۔

مقام محمود

آپ ﷺ کے اس بلند ترین مقام کا ذکر قرآن مجید میں کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿عَسَىٰ أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامٗا مَّحۡمُودٗا﴾ (الاسراء: ۷۹) (امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کرام سے منقول ہے کہ "مقام محمود" سے مراد "رتبہ شفاعت" ہے۔ (۲)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کرکے یہ آیت بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم: ۵۳۲ (۲) صحیح البخاری، کتاب التفسیر باب قوله عسى أن يبعثك..الخ، ج:۶۸۶/۲، صحیح مسلم کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعة..الخ، ج:۹۴/۱

"یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے"(۱)

معجزات

اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو معجزات عطا فرماتا ہے، تاکہ ان کو دیکھ کر لوگوں کے اندر سچا یقین پیدا ہو، معجزہ کے معنی ہی ایسی چیز کے ہیں جو سامنے والے کو عاجز و بے بس کردے، ہر وہ چیز جو انسان کے بس میں نہ ہو اس کو خارق عادت کہتے ہیں، انبیاء علیہم السلام سے جب ایسی خارق عادت چیزوں کا ظہور ہوتا ہے تو ان کو معجزات کہتے ہیں، اور کبھی کبھی اولیاء اللہ سے بھی ان کا صدور ہوتا ہے، اولیاء اللہ سے صادر ہونے والی ایسی خارق عادت چیزوں کو کرامات کہتے ہیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام کو معجزات عطا ہوئے، جن میں خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے، نبی آخر الزمان سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بکثرت معجزات عطا فرمائے، اور انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا جامع بنایا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرد علی الجهمية، ص:۱۱۰۸

معجزہ اور سحر میں بڑا فرق یہ ہے کہ معجزہ حقیقی ہوتا ہے، اور سحر صرف تخیل اور نظر بندی، اللہ تعالیٰ ساحران فرعون کے بارے میں فرماتا ہے ﴿فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ﴾ (طـه:٦٦) (ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں موسیٰ کو ان کے جادو کے زور سے دوڑتی ہوئی لگنے لگیں)

یہی وجہ ہے کہ معجزہ کے سامنے کوئی چیز بھی ٹک نہیں سکتی، بڑے سے بڑا جادو اس کے سامنے پانی ہوجاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار ہیں، مشہور معجزات میں شق صدر، درختوں اور پتھروں کا سلام کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا پھر واپس اصلی حالت پر آجانا، ستون کا رونا، اشارہ سے بتوں کا گر جانا، پہاڑ کا ہلنا، درختوں کا چلنا، اندھیرے میں روشنی ہونا، جانوروں سے کلام کرنا، اس کے علاوہ امراض سے شفا، چیزوں میں اضافہ، انگلیوں سے پانی جاری ہوجانا، بکثرت غیب کی خبریں بتانا، اور سب سے بڑھ کر آسمانوں کی سیر اور واقعہ معراج اور اس کے علاوہ ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور وہ ہے قرآن مجید جس نے فصحائے عرب کو بے بس کردیا، ان کو بار بار للکارا کہ اس جیسا بنالاؤ مگر وہ بے بس ہوکر رہ گئے، یہ وہ معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔

مقام صحابہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم أجمعین کی وہ معجزانہ تربیت بھی ہے جس کی تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں مل سکتی، مکہ مکرمہ کے رہنے والے وہ حضرات جو ایمان سے پہلے انسانی قدروں سے ناواقف تھے، اوران میں بعض ایسی برائیاں تھیں جن کا ذکر بھی باعث عار ہے، انسانیت کی اس بلندی پر پہنچ گئے جس سے آگے کا تصور بھی مشکل ہے۔

جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکہ
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مقام بلند کی گواہی دی ہے اور ان پر اپنے خاص فضل کا تذکرہ فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾ (الفتح:۲۶)

(اور پرہیزگاری کی بات ان کے ساتھ جوڑ دی اور وہ اسی کے مستحق اور اس کے اہل تھے)

ایک جگہ فرمایا ﴿وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات:۷)

(البتہ اللہ ہی نے تمہارے لیے ایمان میں رغبت پیدا فرمادی اور

تمہارے دلوں میں اسے سجادیا اور کفر اور گناہ اور معصیت سے تمہیں بیزار کیا) اور یہ کہہ کر مہر لگادی ﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُ﴾ (المائدۃ:۱۱۹) (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)

یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ کے بارے میں یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ سب کے سب امت کے افضل ترین لوگ ہیں، کوئی بڑے سے بڑا ولی، صحابہ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، ان میں سب سے اونچا مقام سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، انبیاء کے بعد انسانوں میں افضل ترین شخصیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام ہے، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا، پھر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا۔

صحابہ سے محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے، اسی طرح اہل بیت نبی سے محبت بھی ایمان کا تقاضہ ہے، اور یہی صحیح مسلمانوں کی پہچان ہے کہ وہ صحابہ سے بھی محبت رکھتے ہیں، اور اہل بیت سے بھی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات ہیں، ان میں ایک معجزہ خود حضرات صحابہ اور اہل بیت ہیں، جن کی پاکیزہ زندگیاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں، ان حضرات سے محبت اور ان کی عظمت کو دل سے ماننا یہ بھی ایمان ہی کا ایک حصہ ہے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت ہے۔

آخرت پر ایمان

آخرت کا عقیدہ اسلام کے تین بنیادی عقیدوں میں سے ہے، جب تک آخرت کا یقین نہ ہو اور انسان اس کو دل سے مان نہ لے، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، سورہ بقرہ کے آغاز ہی میں اہل تقوی کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ ایمان بالآخرۃ کا تذکرہ ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ (البقرة:٤) (اور آخرت کو یہی (لوگ) یقین جانتے ہیں)

انسان کی زندگی میں خوف خدا کے بعد سب سے گہرا جو اثر پڑتا ہے وہ آخرت کے یقین کا ہے، جس کو جتنا زیادہ آخرت کا خیال اور استحضار رہتا ہے اس کے اعمال واخلاق اسی کے اعتبار سے مرتب ہوتے ہیں، قرآن مجید میں عقیدہ توحید کے بعد سب سے زیادہ آخرت کے دھیان کی دعوت دی گئی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ توحید اور آخرت ہی انسانی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے اور ان کو صحیح رخ پر لانے کی سب سے

طاقتور بنیادیں ہیں، اگر یہ بنیادیں نہ ہوں تو انسان کی زندگی چوب خشک ہوکر رہ جائے اور سوائے دنیوی نفع ونقصان کے اور کوئی چیز انسان کے اندر حرکت پیدا کرنے والی نہ ہو، جس طرح توحید کے باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اس کی تفصیلات کا علم صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہوتا ہے اسی طرح آخرت کے علم کا بھی صرف ایک ہی ذریعہ ہے، اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں، جن کے امام سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کے ذریعہ سے آخرت کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں، اگر نبیوں کی تعلیمات نہ ہوں تو انسان آخرت کے سلسلہ میں بھٹکتا ہی رہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ، بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ﴾ (النمل: ٦٥-٦٦)

(بتادیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں ڈھکی چھپی چیز کا جاننے والا کوئی نہیں صرف اللہ ہے، اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے☆ بات یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کا علم بالکل ٹھپ پڑ گیا ہے، بلکہ وہ اس کے بارے میں شبہ میں ہیں بلکہ (واقعہ یہ ہے) کہ وہ اس سلسلہ میں اندھے ہیں)

اب آخرت کے یقین کے بعد انسان اپنے اندر کیا تبدیلی لائے

اور کیا طریقہ کار اختیار کرے اس کا صحیح راستہ معلوم کرنے کا بھی تنہا ایک ہی راستہ ہے جس کا تعلق عقیدہ رسالت سے ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضیات معلوم کرنے کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، رسولوں ہی سے انسانوں کو ہدایت ملتی ہے، جن میں آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے، یہ سب عقائد وہ ہیں جو انسان کو صحیح رخ دیتے ہیں اس کی زندگی میں صالح انقلاب برپا کرتے ہیں، اور اس کو اصل کامیابی سے ہم کنار کرتے ہیں، اگر یہ تین بنیادی عقائد متزلزل ہوں تو انسان کی زندگی بھی دنیا کے تھپیڑوں میں گھر کر رہ جاتی ہے، اور اسی نشیب وفراز میں وہ اپنی عمر پوری کر کے فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے، اور دوسری زندگی اس کی بد سے بدتر ہوگی، جہاں سوائے حسرت و یاس کے اور کچھ اس کے ساتھ نہ لگ سکے گا۔

آخرت کے معنی آخر میں آنے والی چیز کے ہیں، قرآن مجید میں یہ لفظ ۱۱۳ رجگہوں پر آیا ہے، کئی جگہوں پر صرف لفظ ''آخرۃ'' آیا ہے، اور متعدد مقامات پر وضاحت کے ساتھ اس کا استعمال ہوا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ (عنکبوت:٢٩/٦٤)

(اور یہ دنیا کی زندگی بس کھیل اور تماشہ ہے اور اصل زندگی تو بس آخرت ہی کا گھر ہے، کاش کہ وہ جان لیتے)

دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَلدَّارُ الآخِرَةُ خَيْرٌ﴾ (انعام:۳۲)
(اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے)

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ﴿أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنيَا مِنَ الآخِرَةِ﴾
(التوبة:۳۸) (کیا تم آخرت کے مقابلہ دنیا ہی کی زندگی میں مگن ہو گئے ہو)

ان استعمالات سے پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ جہاں کہیں بھی لفظ آخرۃ تنہا استعمال ہوا ہے اس سے بھی مراد دار آخرت یا حیاۃ آخرت ہے، اس کے مقابل ہماری موجودہ زندگی کو الحیاۃ الدنیا کہا گیا ہے، دنیا کے معنی قریب کے ہیں، یہ زندگی یا یہ گھر ہمارے سامنے ہے اور ہم سے قریب ہے، اور وہ دوسرا گھر یا دوسری زندگی نگاہوں سے ابھی دور ہے وہی اصل اور آخری زندگی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں، یہ دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ نے آخرت کی زندگی کے لیے بنائی ہے، اور وہاں کی کامیابی ناکامی کا انحصار دنیا کی زندگی پر رکھا ہے، اسی لیے ایک حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں "الدنیا مزرعة الآخرة" دنیا آخرت کی کھیتی ہے، انسان جیسی کھیتی یہاں کرے گا وہاں اس کا اس کے مطابق محصول ملے گا، یہ ایک بہترین مثال ہے، جس سے بات سمجھائی گئی ہے کہ جو جتنا زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی گزارے گا وہ اتنا ہی زیادہ کامیاب قرار دیا جائے گا اسی لیے اس دنیا کو

دارالامتحان بھی کہا گیا ہے۔

آخرت کی اس زندگی کا یقین کرنا اور جاننا کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جو ہمیشہ ہمیش کے لیے ہوگی اور اس میں آدمی کو اپنے کیئے کے مطابق بدلہ ملے گا، اسلام کے تین بنیادی عقیدوں میں سے تیسرا عقیدہ ہے، جس کو عقیدہ آخرت کہتے ہیں۔

عالم برزخ

مرنے کے بعد قیامت سے پہلے جو مرحلہ ہے وہ عالم برزخ کہلاتا ہے، برزخ کے معنی بیچ کی چیز کے ہیں، جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہوتی ہے، اور پردہ بن جاتی ہے، عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کا یہ وقفہ ہے، اسی لیے اس کو برزخ کہتے ہیں، سورہ مومنون میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (المومنون: ۱۰۰) (اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے)

مرنے کے بعد اس مرحلہ میں انسان جہاں بھی ہوتا ہے اس کو قبر کہتے ہیں، خواہ وہ خاک کے اندر ہو، سمندر یا دریا کے درمیان ہو، یا کسی جانور کے پیٹ میں، انسان مرنے کے بعد جہاں کہیں بھی اس کو جلا کر اس کی خاک کو سمندروں دریاؤں یا خشکی میں کہیں بھی اڑایا گیا ہو، اس کو

کسی جانور نے کھالیا ہو وہی اس کے لیے قبر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو وہاں سے قیامت کے دن اٹھا کر کھڑا کردے گا۔

﴿وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ﴾ (الحج:۷) (اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں)

اس عالم برزخ کو ماننا بھی ایمان بالآخرۃ ہی کا حصہ ہے، اس پردہ کے ہٹتے ہی قیامت برپا ہو جائے گی، جس کو بعث بعد الموت کہتے ہیں، پھر حساب و کتاب کے بعد جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اس درمیانی مرحلہ (عالم برزخ) کی راحت یا تکلیف کا ذکر آیات واحادیث میں بکثرت ملتا ہے، قرآن مجید میں فرعونیوں کے بارے میں عالم برزخ کے عذاب کا تذکرہ بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ، النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (الغافر:۴۵-۴۶)

(اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب ٹوٹ پڑا، وہ آگ ہے جس پر صبح اور شام ان کو تپایا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (کہا جائے گا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو)

یہ تکلیف یا راحت موت کے وقت ہی سے شروع ہوجاتی ہے، متعدد آیات میں اس کا ذکر ہے، ایک جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلاَئِكَةُ بَاسِطُواْ أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُواْ أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ، وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاء ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَى مَعَكُمْ شُفَعَاء كُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاء لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ (انعام۹۳-۹٤)

(اور اگر آپ دیکھ لیں جب یہ ناانصاف موت کی کٹھنائیوں میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ پھیلائے (کہتے) ہوں گے کہ نکالو اپنی جان آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی نشانیوں سے اکڑتے رہتے تھے، اور اب ایک ایک کرکے ہمارے پاس پہنچ گئے جیسے پہلی بار ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا تھا وہ سب پیچھے چھوڑ آئے اور ہمیں تمہارے ساتھ وہ سفارشی بھی نظر نہیں آتے جن کے بارے میں تمہارا خیال یہ تھا کہ وہ تمہارے معاملات میں (ہمارے) شریک ہیں، تم آپس میں ٹوٹ کر رہ گئے اور تم جو دعوے کیا کرتے تھے وہ سب تم سے ہوا ہوگئے)

سورہ انفال میں ارشاد ہے ﴿وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ، ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (انفال ۵۰-۵۱) (اور اگر آپ دیکھ لیں جب فرشتے کافروں کی جان نکال رہے ہوں ان کے چہروں اور پشت پر مارتے جاتے ہوں اور (کہتے جاتے ہوں) کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو، یہ نتیجہ ہے تمہارے گزرے ہوئے کرتوتوں کا اور اللہ اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا)

ذیل کی آیتوں میں نیک وبد کا تذکرہ موجود ہے، نیکوں کو کیسی بشارتیں موت کے وقت سے ہی شروع ہوجاتی ہیں، ارشاد ہوتا ہے ﴿فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ، وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ، وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَكِن لَّا تُبْصِرُونَ، فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ، تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ، فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ، فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ، وَأَمَّا إِن كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ، فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ، وَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ، فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ، وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ﴾ (الواقعة: ۸۳-۹۴)

(تو پھر کیوں نہ جس وقت جان حلق کو پہنچتی ہے، اور تم اس وقت اس کو دیکھ رہے ہوتے ہو، اور ہم تم سے زیادہ اس سے قریب ہیں حالانکہ تم

نہیں دیکھتے، تو اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو تو کیوں (ایسا) نہیں ہو جاتا، کہ تم اس کو لوٹا دو اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو، پھر اگر وہ (مرنے والا) مقربین (بارگاہ الٰہی) میں ہوا، تو مزے ہی مزے ہیں اور خوشبو ہی خوشبو ہے اور نعمتوں بھرا باغ ہے، اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں ہوا، تو تیرے لیے سلام ہی سلام (کے نذرانے) ہیں کہ تو دائیں طرف والوں میں ہے، اور اگر وہ جھٹلانے والوں گمراہوں میں ہوا، تو کھولتے پانی سے (اس کی) تواضع ہوگی، اور (اسے) جہنم رسید کیا جائے گا)

اللہ نے اپنے مقرب بندوں کے لیے موت کے وقت میں کیسی بشارتیں رکھی ہیں، ان کو کیسی محبت بھری یہ صدا سنائی دیتی ہے ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّة، ارْجِعِيْ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّة، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ، وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ (فجر: ۲۷-۲۹)

(اے وہ جان جو سکون پا چکی، اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ کر آجا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، بس میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا (۲۹) اور میری جنت میں داخل ہو جا)

اسی عالم برزخ کی وضاحت اور تفصیل حدیث میں بھی آئی ہے، ایک جگہ ارشاد نبوی ہے: "عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: انَّ أَحَدَكُمْ اذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ

وَالْعَشِیِّ اِنْ کَانَ مِنْ أَھْلِ الْجَنَّۃِ فَمِنْ أَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاِنْ کَانَ مِنْ أَھْلِ النَّارِ فَمِنْ أَھْلِ النَّارِ یُقَالُ ھٰذَا مَقْعَدُکَ حَتّٰی یَبْعَثَکَ اللّٰہُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"(۱) (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح وشام اس کا اصل مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام اس وقت تک کے لیے جب تو قیامت کے لیے اٹھایا جائے گا۔

قبر میں سوال وجواب

احادیث صحیح میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ مرنے والے سے توحید ورسالت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے:

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے

---

(۱)صحیح مسلم فی کتاب الجنۃ و النار، فی باب عرض مقعد المیت،رقم الحدیث: ۷۳۹۰

(۲) صحیح بخاری میں بھی یہی روایت ہے، ملاحظہ ہو"کتاب الجنائز فی باب المیت یعرض علیہ بالغداۃ والعشی، رقم الحدیث:۱۳۷۹"

رسول ﷺ بنو نجار کے ایک نخلستان میں تشریف لے گئے، وہاں آپ ﷺ نے بہت خوفناک آواز سنی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ قبریں کن لوگوں کی ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ ان لوگوں کی قبریں ہیں جو زمانہ جاہلیت میں انتقال کر گئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو عذاب قبر اور دجال کے فتنہ سے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! قبر کا عذاب کس وجہ سے ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مومن قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور اس سے کہتا ہے: ''تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے؟'' پس اگر اللہ نے اسے ہدایت دی تھی تو وہ کہتا ہے: ''میں اللہ کی عبادت کرتا تھا'' پھر اس سے کہا جاتا ہے ''تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' تو وہ کہتا ہے ''وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں'' پھر اس کے بعد اس سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا ہے، پھر اس کو جہنم میں اس کے گھر کی طرف لے کر جایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: ''جہنم میں تمہارا یہ ٹھکانہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے محفوظ رکھا اور تم پر رحم کیا، اس لیے اس کے بدلہ میں تم کو جنت میں ایک گھر عطا فرمایا ہے، تو وہ بندہ کہتا ہے ''مجھے اجازت دیجئے کہ میں یہ خوشخبری اپنے گھر والوں کو سنا سکوں، لیکن اس سے کہا جائے گا کہ تم یہیں

آرام کرو۔ اور جب کافر کو قبر میں لٹایا جاتا ہے، تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور اس کو جھنجھوڑتا ہے، اور اس سے کہتا ہے ''تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟'' تو وہ جواب دیتا ہے ''میں نہیں جانتا'' پھر اس سے کہا جائے گا کہ نہ تو نے سمجھا اور نہ ہی پڑھا، پھر اس سے پوچھا جائے گا ''تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو؟'' وہ جواب دے گا ''جو لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہتا ہوں'' پھر اس کے بعد وہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان ایک لوہے کا ہتھوڑا مارے گا، جس سے اس کی ایسی چیخ نکلے گی جس کو جن وانس کے علاوہ تمام مخلوق سنے گی)

قرآن مجید کی آیات میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے، ارشاد ہے ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُواْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِى الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِينَ﴾ (ابراھیم:۲۷)

(اور اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے اس دنیا میں بھی مضبوط کرتا ہے اور آخرت میں بھی، اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے)

اس کی تفسیر احادیث صحیح میں یہی بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد قبر میں توحید و رسالت سے متعلق سوالات کا ہونا ہے، صحیح مسلم کی روایت میں آتا ہے ''عن البراء بن عازب رضی الله عنه عن النبی صلی الله

عليه وسلم قال: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُواْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ﴾قال: نزلت فی عذاب القبر،فيقال له من ربك؟ فيقول: ربی الله، ونبيی محمد صلی الله عليه وسلم، فذلك قوله عزوجل ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُواْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ﴾(۱)

(حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُواْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ﴾ یہ سورت عذاب قبر سے متعلق نازل ہوئی ہے، بندے سے معلوم کیا جائے گا ''تمہارا رب کون ہے؟'' وہ جواب دے گا'' میرا رب اللہ ہے، اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' گویا اللہ تعالیٰ کے اس قول﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُواْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ﴾ سے مراد بندہ کا اس طرح جواب دینا ہے۔

عالم برزخ میں جو کچھ ہوتا ہے ظاہری طور پر مرنے والے کے جسم پر اس کے اثرات نظر نہیں آتے، اس لیے کہ اس کا اصل تعلق روح سے ہوتا

---

(۱)صحيح مسلم،فی كتاب الجنة صفة نعيمها وأهلها، فی باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النارعليه واثبات عذاب القبروالتعوذ منه۔رقم الحديث:۷۳۹۸

ہے، اور بڑی حد تک اس کی مثال گہری نیند سے دی جا سکتی ہے، سونے والا نہ جانے خواب میں کہاں کہاں کی سیر کرتا ہے، اور طرح طرح کی خوشیاں اس کو حاصل ہو رہی ہوتی ہیں، یا سخت اذیت محسوس کر رہا ہوتا ہے، لیکن پاس بیٹھا ہوا دوسرا انسان اس کو بالکل محسوس نہیں کر پاتا، اسی طرح مرنے والے کے احساسات کا تعلق اس کی روح سے اور اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دوسرا اس کے جسم پر محسوس نہیں کر سکتا کہ وہ عالم ہی دوسرا ہے۔

قیامت کی بڑی نشانیاں

قیامت آنے سے پہلے دنیا میں ایسے بعض واقعات کا ظہور ہوگا جس سے کھل جائے گا کہ قیامت اب بہت قریب ہے، ان میں امام مہدی کا ظاہر ہونا، حضرت عیسیٰ کا اترنا، یاجوج و ماجوج کا نکلنا، دجال کا خروج، دابۃ الارض یعنی ایک جانور کا لوگوں سے باقاعدہ گفتگو کرنا اور سب سے آخری علامت سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، اس کے بعد دنیا ختم کر دی جائے گی اور قیامت برپا ہو جائے گی، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

قیامت

دنیا میں ہر آنے والا انسان ایک دن فنا ہو جانا ہے، جو آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ دنیا ہی فنا ہو جائے گی، جو کچھ

ہے سب بکھر کر رہ جائے گا، وہ قیامت کا دن ہوگا، جس دن اللہ کے حکم سے صور پھونکی جائے گی، تو کوئی متنفس باقی نہ رہے گا، پھر قیامت آجائے گی، آسمان وزمین، چاند ستارے، سورج اور یہ پورا نظام تہ وبالا ہو کر رہ جائے گا، قرآن مجید میں دسیوں جگہ قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے، حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

﴿إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَت☆وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَت☆وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَت☆وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَت☆عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَت﴾(الانفطار:۱-۵) (جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب ستارے بکھر جائیں گے، اور جب سمندر اُبال دیئے جائیں گے، اور جب قبروں کو اُتھل پتھل کر دیا جائے گا، (اس وقت) ایک ایک شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا بھیجا اور کیا چھوڑا)

﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَت☆وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَت☆وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَت﴾(التکویر:۱-۳) (جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلا دیے جائیں گے)

﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ☆وَخَسَفَ الْقَمَرُ☆وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾(القیامة۷-۹) (بس جب آنکھیں چندھیا جائیں گی، اور

چاند گہنا جائے گا، اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے)

﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ☆ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ (المعارج ۸-۹) (اس دن آسمان تلچھٹ کی طرح ہوگا، اور پہاڑ روئی کے رنگین گالوں کی طرح ہوں گے)

﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ☆ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ☆ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ☆ وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ﴾ (الحاقة: ۱۳-۱۶) (پھر جب ایک ہی دفعہ صور پھونکی جائے گی، اور زمین اور پہاڑ کو اٹھا کر ایک ہی دفعہ میں چکنا چور کر دیا جائے گا، تو اس دن پیش آنے والی چیز پیش آجائے گی، اور آسمان پھٹ پڑے گا تو اس دن وہ پھسپھسا ہوگا)

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا﴾ (المزمل: ۱۴) (جس دن زمین اور پہاڑ لرز کررہ جائیں گے اور پہاڑ بھربھراتی ریت کے تودے بن جائیں گے)

﴿فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ (الرحمن: ۳۷) (پھر جب آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ تلچھٹ کی طرح سرخ ہو جائے گا)

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ

﴿الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراهيم:٤٨) (جس دن زمین یہ زمین نہ رہے گی اور (نہ) آسمان (یہ آسمان ہوگا) اور ایک زبردست اللہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی)

سب کچھ فنا ہونے کے بعد دوسری مرتبہ صور پھونکی جائے گی تو سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے، اسی لیے اس کو یوم البعث کہا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُم قِيَامٌ يَنظُرُونَ﴾ (الزمر:٦٨) (پھر اس میں دوبارہ صور پھونکی جائے گی بس وہ پل بھر میں کھڑے ہوکر دیکھنے لگیں گے)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ حشر کے بارے میں انسانی ذہن کے اعتبار سے مثال دے کر فرماتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ☆ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُم بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾ (الحج:٥-٧)

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو یقیناً قیامت کا بھونچال ایک بڑی چیز ہے، جس دن تم اس کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ عورت اپنے حمل کو ساقط کردے گی اور آپ کو نظر آئے گا کہ لوگ مدہوش ہیں جبکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے البتہ

اللہ کا عذاب ہے ہی بڑی سخت چیز)

حضرت آدم سے لے کر قیامت تک جو بھی دنیا میں آیا ہے سب کو اس دن جمع کیا جائے گا، اس لیے اس کو قرآن مجید میں یوم الجمع بھی کہا گیا ہے، یعنی جمع ہونے کا دن، یوم الخروج بھی اس کو کہا گیا کہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے، سورہ زلزال میں ارشاد ہوتا ہے ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا☆ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا☆ وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا☆ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا☆ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا☆ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتاً لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ☆ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ☆ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾ (الزلزلة: ۱-۸)

(جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ کر رکھ دی جائے گی، اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی، اور انسان کہے گا کہ اس کو ہوا کیا ہے، اس دن وہ اپنی ساری خبریں بتادے گی، کہ آپ کے رب نے اس کو یہی حکم دیا ہوگا، اس دن لوگ گروہ در گروہ لوٹیں گے تا کہ ان کو ان کے سب کام دکھا دیئے جائیں، بس جس نے ذرہ برابر بھی بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا)

قرآن مجید میں ایک پوری سورہ بھی سورہ قیامہ کے نام سے نازل ہوئی ہے جس میں بڑے بڑے حقائق کو چھوٹی چھوٹی آیتوں میں بڑی

بلاغت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ☆وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ☆أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَجْمَعَ عِظَامَهُ☆بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ☆بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ☆يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ☆فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ☆ وَخَسَفَ الْقَمَرُ☆وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ☆يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ☆ كَلَّا لَا وَزَرَ☆إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ☆ يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ☆بَلِ الْإِنسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ☆وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيرَهُ﴾ (القیامة:۱–۱۵)

(اب میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں، اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں، کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے، کیوں نہیں ہم اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں کہ اس کے پور پور کو ٹھیک کر دیں، بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی ڈھٹائی کرتا رہے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے، بس جب آنکھیں چُندھیا جائیں گی، اور چاند گہنا جائے گا، اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے، اس دن انسان کہے گا کہ اب بچاؤ کی جگہ کہاں ہے، ہرگز نہیں! اب پناہ کی کوئی جگہ نہیں، اس دن آپ کے رب کے سامنے ہی (ہر ایک کو) ٹھہرنا ہے، اس دن انسان کو جو کچھ اس نے آگے پیچھے کیا ہے

سب جتلا دیا جائے گا، بات یہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ سے خوب واقف ہے، خواہ اپنے بہانے پیش کر ڈالے)

حساب وکتاب اور جزا وسزا

عقیدہ آخرت کا اہم حصہ یہ ہے کہ انسان کو دنیا میں اپنے کئے ہوئے کاموں پر جزا یا سزا کا یقین ہو، وہ ایمان رکھتا ہو کہ ہمارے ہر عمل کا وہاں حساب لیا جائے گا، اچھے کاموں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھا بدلہ ملے گا، اور برے کاموں کی سزا ملے گی، اور جو چاہے گا اللہ تعالیٰ معاف کرے گا، ارشاد ہوتا ہے ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ ☆ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾ (الزلزلة:۷-۸)

(بس جس نے ذرہ برابر بھی بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا)

یہ حساب آخرت کے دن ہوگا جس دن کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا کہ وہ بہت بڑا دن ہوگا، اس دن انسان کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا، ارشاد ہوتا ہے ﴿الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (الجاثیہ:۲۸)

(آج تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے)

سورہ غاشیہ میں ارشاد ہوتا ہے ﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ☆ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا

حِسَابَهُمْ﴾ (الغاشية: ٢٥-٢٦) (یقیناً ہماری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے، پھر ان سب کا حساب ہمارے ہی ذمہ ہے)

اس دن پائی پائی کا حساب ہوگا، اور انسان نے جو بھی اچھے برے کام کئے ہیں سب اس کے سامنے آجائیں گے، ارشاد ہوتا ہے ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَراً﴾ (آل عمران: ٣٠) (جس دن ہر شخص اپنے ہر بھلے عمل کو حاضر پائے گا)

﴿إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ☆ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ☆ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ☆ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ☆ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ﴾ (انفطار: ١-٥) (جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب ستارے بکھر جائیں گے، اور جب سمندر اُبال دیئے جائیں گے، اور جب قبروں کو اتھل پتھل کر دیا جائے گا، (اس وقت) ایک ایک شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا بھیجا اور کیا چھوڑا)

آیت بالا میں قیامت کا منظر کھینچ دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ انسان دنیا میں جو کچھ کرتا ہے اس دن سب اس کے سامنے ہوگا، اور اس کا حساب اسے دینا پڑے گا۔

انسان دنیا میں جو کچھ کرتا ہے فرشتے سب لکھتے جاتے ہیں، اللہ فرماتا ہے ﴿إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ

قَعِيدٌ ☆مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق ۱۷-۱۸)

(جب دو لینے والے لیتے رہتے ہیں ایک دائیں اور ایک بائیں بیٹھا ہے، جو بات بھی اس کے منھ سے نکلتی ہے تو اس کے پاس ہی ایک مستعد نگراں موجود رہتا ہے)

البتہ فرشتوں کا لکھنا عام تحریر کی طرح نہیں، وہ اس طرح محفوظ کرتے ہیں کہ قیامت میں پورا منظر پیش کر دیا جائے گا، اور سب کچھ نگاہوں کے سامنے آجائے گا، آج کے زمانہ میں اس کا سمجھنا کچھ دشوار نہیں، چھوٹی سی چپ (Chip) میں نہ جانے کیا کیا محفوظ ہو جاتا ہے، اور حسب ضرورت آدمی اس کو دیکھ اور سن سکتا ہے، اور نہ جانے کیا کیا آگے نئی نئی چیزیں ایجاد ہو جائیں، جن سے سمجھنا اور زیادہ آسان ہو جائے، اللہ کے لیے کیا مشکل ہے اس نے فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے وہ سب کچھ محفوظ (Save) کر رہے ہیں، اور یہ محفوظ کرنے کا سلسلہ ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، قیامت میں اس کو نکال کر سامنے کر دیا جائے گا، ارشاد ہوتا ہے﴿وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَاباً يَلْقَاهُ مَنشُوراً ☆اقْرَأْ كَتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيباً﴾ (بنی اسرائیل:۱۳-۱۴)

(اور ہر انسان کے اعمال کو ہم نے اس کی گردن میں لگا دیا ہے اور

قیامت کے دن ہم اس کو ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اس کے سامنے کردیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا، اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ آج اپنا حساب لینے کو تو خود ہی کافی ہے)

حساب اس طرح لیا جائے گا کہ سب کچھ کچا چٹھا سامنے کردیا جائے گا، آدمی کی زبان گنگ ہوجائے گی اور اس کے اعضاء گواہی دیں گے ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (يسين:٦٥)

(آج ہم ان کے منھ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے گفتگو کریں گے اور ان کے پیر اس کی گواہی دیں گے کہ وہ کیا کمائی کیا کرتے تھے)

اچھے برے اعمال جب بالکل سامنے آجائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ترازو میں تول کر جنت یا دوزخ کا فیصلہ فرمادیں گے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (الأنبياء:٤٧)

(اور قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازویں قائم کریں گے)

اسی دن ذرا بھی ناانصافی نہ ہوگی، اور جو ہوگا وہ ٹھیک ٹھیک سامنے آجائے گا ارشاد ہوتا ہے ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ☆وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ

الَّذِينَ خَسِرُواْ أَنفُسَهُم بِمَا كَانُواْ بِآيَاتِنَا يِظْلِمُونَ ﴾ (الأعراف: ٨-٩) (اور وزن اس دن ٹھیک ٹھیک ہوگا پھر جن کے ترازو وزنی رہے تو وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچے، اور جن کے ترازو ہلکے رہے تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنا نقصان کیا اس لیے کہ وہ ہماری نشانیوں کے ساتھ انصاف نہ کرتے تھے)

﴿فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُه☆فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَة☆وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُه☆فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ﴾ (القارعة:٦-٩)

(بس جس کی ترازو بھاری رہی، تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا، اور جس کی ترازو ہلکی رہی تو اس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہے، اور آپ کو پتہ بھی ہے کہ وہ گہرا گڑھا کیا ہے)

ترازو کا نام آتے ہی ڈنڈی کا ٹنا اور نہ جانے کیا کیا ذہن میں آتا ہے، لیکن اب تو اس کا سمجھنا بھی قدرے آسان ہوگیا، نہ جانے ناپنے اور تولنے والی کیسی کیسی حساس چیزیں ایجاد ہوگئیں جن میں حروف کو بھی تولا جاسکتا ہے اور حرارت و برودت کا بھی اندازہ بآسانی کرلیا جاتا ہے، یہاں تک کہ انسانی مزاج کو ناپ لیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے، اس کی انصاف کی ترازو کیسی ہوگی اس کی حقیقت کو کون سمجھ سکتا ہے، مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کے کل اعمال ان کا تعلق ظاہری اعضاء

سے ہو یا باطنی کیفیات واحساسات سے، سب ہی چیزیں اس ترازو میں تل جائیں گی، اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہوجائے گا، اب جنت والوں کے لیے جنت کا اور دوزخ والوں کے لیے دوزخ کا فیصلہ کردیا جائے گا۔

پل صراط

جہنم کے اوپر یہ ایک نہایت نازک گزرگاہ ہے، جس پر سے ہر نیک وبد کو گزرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ (مریم: ۷۱) (اور تم میں سے ہر ایک کو اس پر سے ہوکر گزرنا ہے، آپ کے رب کا یہ حتمی فیصلہ ہے)

لوگوں کا گزرنا اپنے اپنے اعمال کی بنیاد پر ہوگا، انبیاء وصدیقین، شہداء اور صالحین ایسے گزر جائیں گے کہ جیسے بجلی کوندگئی، بعض تیز رفتاری کے ساتھ اور بعض چلتے ہوئے گزریں گے، لیکن جو برے کام کرنے والے ہیں اور جن کے لیے جہنم کا فیصلہ ان کی بداعمالیوں کی کثرت کی بناء پر ہوچکا ہے وہ گھسٹ گھسٹ کر اس پر چلیں گے، اور کٹ کٹ کر اس میں گر جائیں گے، حدیث میں اس گزرگاہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔(۱)

بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں آتا ہے:

(۱) شعب الایمان للبیهقی: ۳٦٧

ویضرب الصراط بین ظهری جهنم، فأکون أنا وأمتی أول من یجیزها، ولا یتکلم یومئذ الا الرسل،ودعوی الرسل یومئذ اللهم سلم سلم، وفی جهنم کلالیب مثل شوك السعدان، هل رأیتم السعدان؟ قالوا: نعم یا رسول الله، قال: فانها مثل شوك السعدان، غیر أنه لا یعلم ما قدر عظمها الا الله، تخطف الناس بأعمالهم، فمنهم الموبق بقی بعمله، أو الموثق بعمله، ومنهم المخردل أو المجازی أو نحوه.(۱)

بخاری شریف کی ایک دوسری طویل روایت میں ہے کہ جب "جسر" (پل صراط) کا ذکر آیا تو صحابہ نے دریافت فرمایا: جسر کیا ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مدحضة مزلة، علیه خطاطیف وکلالیب وحسکة مفلطحة، لها شوکة عقیفاء تکون بنجد یقال لها السعدان، المؤمن علیها کالطرف وکالبرق وکالریح وکأجاوید الخیل والرکاب، فناج مسلم وناج مخدوش ومکدوس فی نار جهنم، حتی یمر أخرهم یسحب سحبا. (۲)

(ایک نہایت پھسلنے والا، چکنا راستہ جس پر پاؤں ٹک نہ سکیں اس پر

---

(۲)صحیح البخاری: ۷۳۳۹ (۲)مستدرک حاکم: ۸۷۴۴/۳

نوک دار مڑی ہوئی کیلیں اور بڑے بڑے کانٹے جس میں مڑے ہوئے چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوں گے، جو نجد میں پائے جاتے ہیں، جس کو ''سعدان'' کہتے ہیں، ایمان والا اس کو پلک جھپکتے ہی گزر جائے گا، اور جیسے بجلی کوندے، تیز ہوا کی طرح، تیز رفتار گھوڑوں کی طرح یا سواری کی طرح تو بعض پوری طرح سے محفوظ ہو کر نجات پا جائیں گے، اور بعض زخمی ہو کر بچتے بچتے نکلیں گے، اور بعض کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے، یہاں تک کہ ان میں آخری آدمی گھسٹ گھسٹ کر چلے گا)

ایک دوسری روایت میں تفصیل ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کے اعمال کے اعتبار ایک نور عطا فرمائیں گے، بعضوں کا نور پہاڑ کی مانند ہوگا، اور بعضوں کا اس سے کم، یہاں تک بعضوں کا نور صرف پیر کے انگھوٹے کے برابر ہوگا۔(۱)

اس روشنی میں لوگ گزریں گے، اس نور کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے، اللہ نے فرمایا ہے ﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ☆ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ

---

(۱) رواه البخاري: ٦٥٨١

قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَ كُمْ فَالْتَمِسُوا نُوراً فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ (الحدید:۱۲-۱۳)

(اس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑتا چلے گا، آج تمہیں بشارت ہو ایسی جنتوں کی جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان ہی میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے، یہی بڑی کامیابی ہے، اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ہمیں بھی دیکھ لو تمہاری کچھ روشنی ہم بھی حاصل کرلیں، کہا جائے گا پیچھے لوٹ جاؤ اور (جاکر) روشنی تلاش کرو، بس ان کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر کی طرف رحمت ہوگی اور اُدھر اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا)

حوض کوثر

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر:۱-۲)

(یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کردی ہے، تو آپ اپنے رب کے لیے نمازیں پڑھیں اور قربانی کریں)

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف بھی عطا فرمایا کہ قیامت کے روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض کوثر عطا ہوگا، اس حوض کی کچھ تفصیلات احادیث صحیحہ میں آئی ہیں، ذیل میں وہ

روایات پیش کی جارہی ہیں:

عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: بینا أنا أسیر فی الجنة اذا أنا بنهر حافتاه قباب الدر المجوف، قلت ما هذا یا جبرئیل؟ قال: هذا الکوثر الذی أعطاك ربك، فاذا طینه مسك أذ فر.(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میں جنت میں چل رہا تھا، تو میرا ایک نہر کے پاس سے گزر ہوا، جس کے کنارے اندر سے خالی موتیوں کے بنے ہوئے ہیں، میں نے (حضرت) جبرئیل سے معلوم کیا کہ یہ کیا ہے، انہوں نے جواب دیا: یہ حوض کوثر ہے، جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے، اور اس کی مٹی تیز خوشبودار مشک ہے۔

عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم حوضی مسیرة شهر وزوایاه سواء ماء ه أبیض من اللبن وریحه أطیب من المسك و کیزانه کنجوم السماء من یشرب منها فلا یظمأ أبدا. (۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ ہے، جس کے

(۱) البخاری: ۷۳۳۷ (۲) البخاری: ۶۵۷۹، صحیح مسلم: ۶۱۱۱

کنارے بالکل برابر سرابر ہیں، اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہیں، اگر کوئی شخص اس کو ایک مرتبہ پی لے تو وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان حوضی أبعد من أيلة من عدن لهو أشد بياضا من الثلج وأحلی من العسل باللبن، ولآنيته أكثر من عدد النجوم وانی لأصد الناس عنه كما يصد الرجال ابل الناس عن حوضه، قالوا يا رسول الله! أتعرفنا يومئذ؟ قال: نعم، لكم سيماء ليست لأحد من الأمم، تردون علی غرا محجلين من أثر الوضوء. (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا حوض اتنا بڑا ہے، جس قدر ایلہ اور عدن کا فاصلہ ہو، جس کی سفیدی برف سے کہیں زیادہ، اور جس کی مٹھاس دودھ کے اندر گھلے ہوئے شہد سے کہیں زیادہ ہے، اور اس کے برتنوں کی تعداد تو ستاروں سے کہیں زیادہ ہے اور میں اس کے پاس سے لوگوں کو اس طرح روک رہا ہوں گا جیسا کہ لوگ اپنے کنوئیں سے دوسرے لوگوں کے اونٹوں کو دور کرتے ہیں، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین نے عرض کیا: اے

(۱) صحیح مسلم: ٦٠٤

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہم کو اس وقت پہچان لیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بالکل، تمہارے پاس ایک ایسی شناخت ہوگی جو کسی امت کے پاس نہ ہوگی، تم میرے پاس اس حال میں لوٹو گے کہ تمہاری پیشانی اور ہاتھ پاؤں وضو کی وجہ سے چمک دمک رہے ہوں گے۔

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انى فرطكم على الحوض من مر على شرب ومن شرب لم يظمأ أبدا، ليردن على أقوام أعرفهم ويعرفوننى ثم يحال بينى وبينهم، فأقول انهم منى، فيقال: انك لا تدرى ما أحدثوا بعدك، فأقول: سحقا سحقا، لمن غير بعدى. (۱)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں حوض پر تم میں سب سے پہلے پہنچنے والا ہوں، جس کا میرے پاس سے گذر ہوگا تو وہ اس سے پیئے گا، اور جو اس سے پی لے گا تو وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا، البتہ بہت سے ایسے لوگ بھی میرے پاس پہنچیں گے کہ میں ان کو پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھ کو پہچانتے ہوں گے، لیکن پھر ان کے اور میرے درمیان دوری کردی جائے گی، چنانچہ میں کہوں گا: یہ لوگ تو میرے (امتی) ہیں، تو جواب دیا جائے گا: آپ کو نہیں معلوم، کہ انہوں نے آپ کے جانے کے بعد کیا کیا ہے، لہٰذا پھر میں بھی یہی کہوں گا

---

(۱) صحیح البخاری: ۷۰۷۵ و ۶۵۸۴

کہ ایسے لوگوں سے دوری ہی بہتر ہے جنھوں میرے بعد کچھ کمی وبیشی کی۔

جنت

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا☆خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ (الکھف:۱۰۷-۱۰۸) (ہاں) یقیناً جنھوں نے مانا اور اچھے کام کیے ان کے لیے مہمانی کو فردوس کی جنتیں ہوں گی، ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اسے چھوڑ کر کہیں جانا نہ چاہیں گے)

جنت وہ خوشیوں کی اور صرف خوشیوں کی جگہ ہے، جو ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں کو نصیب ہوگی، جس کا عیش ہمیشہ کا اور جس کا لطف ومسرت ہر طرح کی کلفت سے یکسر خالی ہے، اور جو اس میں ایک مرتبہ داخل ہو جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے وہیں کا ہو کر رہ جائے گا نہ وہ نکالا جائے گا اور نہ وہ نکلنا چاہے گا، وہاں نعمتوں میں ایسا تنوع اور ایسی بہار ہوگی کہ ہر نعمت ایک نئی بہار لئے ہوئے سامنے آئے گی، وہاں کسی قسم کا نہ کوئی خوف ہوگا نہ ڈر، اور نہ باہمی رنجش کا کوئی امکان ہوگا، جنت میں ہر داخل ہونے والا اپنی مسرتوں اور لازوال خوشیوں میں ایسا مست ہوگا جس کا تصور بھی اس دنیا میں ممکن نہیں، غرض یہ کہ وہ ایسی بادشاہت ہوگی، جس کا خیال دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کو بھی نہیں ہوسکا، وہاں

آدمی جو چاہے گا وہ اس کو ملے گا، دل میں جس چیز کی خواہش ہوگی وہ سامنے موجود پائے گا۔

دنیا میں ہر پھول کے ساتھ کانٹے ہیں، ہر روشنی کے ساتھ تاریکی ہے، ہر وجود کے ساتھ فنا ہے، نہ جانے کتنے غم سہنے کے بعد خوشی کا منظر سامنے آتا ہے، اور ابھی سیری بھی نہیں ہوتی کہ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، جنت کو اللہ نے خوشی و مسرت کا ایسا لازوال ٹھکانہ بنایا ہے، جس میں غم و تکلیف کا کبھی کوئی گزر نہیں ﴿فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ (التین:٦) (تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے)

قرآن مجید کی اصطلاح میں وہ "جنات النعیم" (نعمت کا باغ) بھی ہے، "جنة الخلد" (بقائے دوام کا باغ) بھی ہے، "جنات عدن" (دائمی سکونت کے باغ) بھی ہے، "دار الخلد" بھی ہے اور "دار السلام" (سلامتی کا گھر) بھی۔

وہاں کے دوام و بقاء اور وہاں کی نعمتوں کے تسلسل اور اہل جنت کا ہمیشہ ان میں رہنا ایسی قطعیت کے ساتھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی ادنی شبہ بھی باقی نہیں رہ جاتا، وہاں کی نعمتوں کے تسلسل کا ذکر ذیل کی آیتوں میں دیکھیں:

﴿وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ﴾ (التوبہ:٢١) (اور ایسی

جنتوں کی جس میں ان کے لیے ہمیشہ کی نعمتیں ہیں)

﴿ أُكُلُهَا دَآئِمٌ وِظِلُّهَا ﴾(الرعد: ۳۵) (اس کے پھل بھی سدا (بہار) ہیں اور اس کا سایہ بھی)

﴿وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ☆لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴾ (الواقعہ: ۳۲-۳۳) (اور بہت سے پھلوں میں، جو نہ ختم ہونے کو آئیں گے اور نہ ان میں کوئی روک ٹوک ہوگی)

﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴾ (التین: ٦) (سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے)

اہل جنت جو ان نعمتوں میں ہوں گے ان کے خلود و بقاء کا ذکر بار بار ﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً﴾ (النساء:۵۷)(وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے) ایک جگہ ارشاد ہے

﴿لا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَى ﴾ (الدخان:٥٦) (وہ سوائے پہلی موت کے پھر وہاں موت کا مزہ نہ چکھیں گے)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب اہل جنت جنت میں جا چکیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور ذبح کر دیا جائے گا،

اور اعلان ہو جائے گا کہ اب موت کو موت آچکی ہے، اب کسی کو موت آنے والی نہیں، اہل جنت کو اس خلود سے انتہائی خوشی حاصل ہوگی۔(۱)

اب آخری بات یہ ہوگی کہ اہل جنت نہ وہاں سے نکالے جائیں گے، اور نہ وہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے، اسی صورت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ﴾ (الحجر: ۴۸) (نہ وہاں تھکن کا نام ہوگا اور نہ ہی وہ وہاں سے نکالے جائیں گے)

اور دوسری صورت کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ﴿خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ (الکہف: ۱۰۸)

(ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اسے چھوڑ کر کہیں جانا نہ چاہیں گے)

وہاں کی بے نہایت نعمتوں کا نقشہ ان آیات میں کھینچ دیا گیا ہے

﴿فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُوراً، وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيراً، مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْساً وَلَا زَمْهَرِيراً، وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلاً☆ وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا، قَوَارِيرَ مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرا☆ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْساً

(۱) سنن الترمذی: ۲۷۵۵

كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا، عَيناً فِيهَا تُسَمَّى سَلسَبِيلًا☆وَيَطُوفُ عَلَيهِم وِلدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيتَهُم حَسِبتَهُم لُؤلُؤاً مَّنثُوراً، وَإِذَا رَأَيتَ ثَمَّ رَأَيتَ نَعِيماً وَمُلكاً كَبِيراً، عَالِيَهُم ثِيَابُ سُندُسٍ خُضرٌ وَإِستَبرَقٌ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُم رَبُّهُم شَرَاباً طَهُوراً، إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُم جَزَاءً وَكَانَ سَعيُكُم مَّشكُوراً۞ (الدھر: ۱۱-۲۲)

(بس اللہ ان کو اس دن کے شر سے بچالے گا اور ان کو شادابی اور خوشی عطا فرمائے گا، اور ان کو ان کے صبر کے بدلہ میں باغات اور ریشم سے نوازے گا، وہ ان میں آرام سے مسہریوں پر تکیوں سے ٹیک لگائے ہوں گے، وہاں نہ ان کو دھوپ کی تپش سے پالا پڑے گا نہ سخت سردی سے، اور ان پر (باغات کے) سائے جھکے پڑ رہے ہوں گے اور ان کے خوشے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے، اور ان پر چاندی کے برتنوں اور شیشے کے پیالوں کے دور چل رہے ہوں گے، شیشے بھی چاندی کے جن کو قرینہ سے انھوں نے ڈھالا ہوگا، اور وہاں ان کو ایسے جام پلائے جائیں گے جس میں زنجبیل ملی ہوگی، وہاں کے ایسے چشمہ سے جس کا نام سلسبیل ہوگا، اور ان کے سامنے سدا بہار لڑکے آجا رہے ہوں گے، جب ان کو آپ دیکھیں گے تو لگے گا کہ جیسے بکھرے ہوئے موتی ہوں، اور جب آپ دیکھیں گے تو اس جگہ آپ کو نعمتوں کی ایک دنیا اور بڑی بادشاہت نظر

آئے گی، ان پر سبز باریک اور دبیز ریشم کا لباس ہوگا اور ان کو چاندی کے کنگن سے آراستہ کیا جائے گا اور ان کو ان کا رب پاکیزہ شراب پلائے گا، یہ ہے تمہارا بدلہ، اور تمہاری محنت رنگ لائی ہے)

ترمذی شریف کی ایک روایت میں آتا ہے:

عن المغيرة بن شعبة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: ان موسى عليه السلام سأل ربه فقال: أى رب أى أهل الجنة أدنى منزلة، قال: رجل يأتى بعد ما يدخل أهل الجنة الجنة، فيقال له: ادخل الجنة، فيقول: كيف أدخل وقد نزلوا منازلهم وأخذوا أخذاتهم، قال: فيقال له أترضى أن يكون لك ما كان لملك من ملوك الدنيا، فيقول: نعم، أى رب قد رضيت، فيقال له: فان لك هذا ومثله ومثله ،فيقول: رضيت أى رب، فيقال له: فان لك هذا و عشرة أمثاله، فيقول: رضيت أى رب، فيقال له: فان لك مع هذا مااشتهت نفسك ولذت عينك. (۱) حضرت مغیرہ صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسی علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اے پروردگار! جنت والوں میں سے سب سے کم رتبہ کون ہوگا، فرمایا: وہ شخص جو جنت والوں کے جنت میں داخل ہوچکنے کے بعد آخر میں آئے گا، تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں

(۱) سنن الترمذی، ج:۲/۱۵۵، رقم الحدیث:۳۰۰۲

داخل ہو جاؤ، وہ کہے گا کہ اب میں کہاں جاؤں گا، کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر جا چکے، اور ربانی نوازشوں پر قابض ہو چکے، اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے وہ ملے جو دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا، عرض کرے گا خداوندا میں راضی ہوں، فرمائے گا تیرے لیے اتنا اور اس سے دونا اور اس سے تگنا اور چوگنا ہے، کہے گا خداوندا میں راضی ہوگیا، خدا فرمائے گا تیرے لیے وہ اور اس کا دس گنا ہے، عرض کرے گا میں راضی ہوگیا، فرمائے گا اس کے ساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشے۔"

حاصل یہ کہ اہل جنت کو وہ حاصل ہوگا جس کا ذکر اس روایت میں ہے کہ "ما لا عين رأت ولا أذن سمعت وماخطر على قلب بشر"(۱) (جو نہ آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا، اور نہ دل پر اس کا خیال گزرا)

یہ سب نعمتیں اللہ کے ان بندوں کو حاصل ہوں گی جو اللہ کے ماننے والے ہیں، سچا ایمان رکھنے والے اور اچھے کام کرنے والے ہیں۔

دوزخ

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ

(۱) سنن الترمذی: ۳۵۰۱

يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ (السجدة: ٢٠)

(اور جنھوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، جب جب وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے وہیں پلٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا جہنم کا وہ مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے)

جنت کے بالکل برمقابل یہ انتہائی عذاب اور سخت ترین اذیتوں کا وہ ٹھکانہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نافرمان اور باغی بندوں کے لیے تیار کیا ہے، جزا وسزا، جنت اور دوزخ کا یہ یقین ہی انسان کو فرمانبرداری پر آمادہ کرتا ہے۔

دوزخ کی شدید ہولناکیوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث میں بھی، یہ ہولناکیاں اور سخت اذیتیں جسمانی بھی ہوں گی، اور روحانی، اور عقلی بھی، جسمانی اذیتوں کا تذکرہ قرآن مجید میں اس انداز سے ملتا ہے ﴿تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ﴾ (المؤمنون: ١٠٤) (آگ ان کے چہروں کو جھلسا رہی ہوگی اور اس میں ان کے چہرے بگڑ چکے ہوں گے)

دوزخ کا ایک اور نام "سقر" بھی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ☆لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ☆لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ﴾ (المدثر:

۲۷-۲۹) (اور آپ جانتے بھی ہیں جہنم کیا ہے، نہ باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی، جسم کو جھلساڈالے گی)

مزید ارشاد ہے ﴿كَلَّا إِنَّهَا لَظَى ☆ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَى﴾ (المعارج: ۱۵-۱۶) (ہرگز نہیں وہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے، جو کھال کھینچ لینے والی ہے)

پینے کو گرم پانی ملے گا، جس سے آنتیں نکل پڑیں گی ﴿وَسُقُوا مَاءً حَمِيماً فَقَطَّعَ أَمْعَاءَ هُم﴾ (محمد: ۱۵) (اور ان کو کھولتا پانی پلایا جائے گا تو وہ ان کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا)

گرم پانی کے ساتھ پیپ پینے کے لیے دیا جائے گا ﴿إِلَّا حَمِيماً وَغَسَّاقاً﴾ (النبأ: ۲۵) (سوائے کھولتے پانی اور بہتے پیپ کے)

ان کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائے گا جو ان کے جسموں کو کاٹ کر رکھ دے گا ﴿يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُؤُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ☆ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُود۔ وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْد﴾ (الحج: ۱۹-۲۱) (ان کے سر کے اوپر سے کھولتا پانی ڈالا جائے گا، اس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی، اور ان کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے)

زخموں کے دھوون کی خوراک دی جائے گی ﴿وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ

غِسْلِيْنٍ﴾ (الحاقة: ٣٦) (اور نہ اس کے لیے کوئی کھانا ہے سوائے زخموں کے دھوون کے)

آگ کے کپڑوں کا لباس ہوگا ﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ (الحج: ١٩)

(تو جنھوں نے انکار کیا ان کے لیے آگ کا لباس تیار کیا گیا ہے)

گلے میں طوق اور زنجیریں ہوں گی ﴿إِذِ الْأَغْلَالُ فِيْ أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُوْنَ﴾ (الغافر: ٧١)

(جب طوق و سلاسل ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے، وہ گھسیٹ کر لے جائے جائیں گے)

﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيْرًا﴾ (الدهر: ٤) (یقیناً ہم نے انکار کرنے والوں کے لیے بیڑیاں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے)

﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ﴾ (ابراهيم: ٤٩) (اور آپ اس دن مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ بیڑیوں میں جکڑے ہوں گے)

یہ تکلیفیں ایسی سخت ہوں گی کہ دل ان سے جل کر کباب ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ☆ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ﴾

(الهمزة ٦-٧) (وہ اللہ کی بھڑ کائی ہوئی آگ ہے، جو دلوں تک جا پہنچے گی)

ان سخت جسمانی اذیتوں کے ساتھ ان کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک بھی ہوگا، جس سے قلب وجگر کٹ کٹ کر رہ جائیں گے، اللہ فرماتا ہے کہ ان کو خطاب کر کے کہا جائے گا ﴿فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ﴾ (الأحقاف: ٢٠) (بس آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا ملے گی)

ان سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں اللہ کو بھلا دیا، آج تم کو فراموش کیا جاتا ہے، ﴿كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ﴾ (طه: ١٢٦) (اسی طرح میری نشانیاں تیرے پاس آئی تھیں تو تو نے انھیں فراموش کر دیا تھا اور ایسا ہی آج تجھے فراموش کیا جارہا ہے)

اس ذلت ورسوائی کو محسوس کریں گے اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے ﴿وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ﴾ (یونس: ٥٤)

(اور وہ جب عذاب دیکھیں گے تو اندر ہی اندر پچھتائیں گے)

﴿يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ اللَّهِ﴾ (الزمر: ٥٦) (ہائے میری شامت کہ میں نے اللہ کے حق میں کمی کی)

ان کو اس وقت معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی ﴿لا

تَعۡتَذِرُوا الۡیَوۡمَ﴾ (التحریم: ۷) (جنھوں نے انکار کیا آج عذر پیش مت کرو)

نہ ان کو خدائے رحیم سے بات کرنے کا موقع دیا جائے گا، اعلان ہوگا ﴿ اخۡسَؤُوا فِیۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴾ (المؤمنون: ۱۰۸)
(اسی میں دھنسے رہو اور مجھ سے بات بھی مت کرنا)

دوزخ اور اس کی ہولناکیاں اللہ کے باغی اور نافرمان بندوں کے لیے ہوں گی، پھر ان کی دو قسمیں ہوں گی، ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جو اللہ کے منکر ہیں، یا انہوں نے اللہ کو پہچاننے سے انکار کیا، اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا، حقیقت میں جہنم ایسے لوگوں کے لیے ہے، وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں ذلیل و خوار ہو کر پڑے رہیں گے، ارشاد ہوتا ہے
﴿إِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُواۡ لَوۡ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الۡأَرۡضِ جَمِيۡعاً وَمِثۡلَهُ مَعَهُ لِيَفۡتَدُواۡ بِهِ مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيۡمٌ ☆ يُرِيۡدُوۡنَ أَن يَخۡرُجُواۡ مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِيۡنَ مِنۡهَا وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ﴾ (المائدۃ: ۳۶-۳۷)

(بلاشبہ جنھوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس زمین بھر چیزیں ہوں اور اتنا ہی اور بھی ہو، تا کہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر قیامت کے دن عذاب سے چھوٹ جائیں تو بھی یہ سب چیزیں ان کی طرف سے قبول نہ ہوں گی

اوران کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ چاہیں گے کہ جہنم سے نکل آئیں حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں اوران کے لیے مستقل عذاب ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً﴾ (البقرة: ١٦٧) (اور پیروی کرنے والے کہیں گے کہ اگر ہم کوایک موقع اور مل جائے)

ایک جگہ اصول بیان فرمادیا گیا کہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (النساء:٤٨)

(بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اوراس کے علاوہ جس کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہے)

اللہ کے باغیوں اور منکروں کے لیے اوراس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والوں کے لیے یہ دوزخ عذاب ہی عذاب ہے، اس میں ہمیشہ ان کو رہنا ہے، البتہ ایک دوسری قسم دوزخ میں جانے والوں کی ایسے ایمان والوں کی ہوگی جو فسق وفجور میں مبتلا رہے، اور ان کے گناہوں کی کثرت نے ان کو دوزخ میں پہنچایا، ایسے لوگوں کے لیے دوزخ ایک طرف عذاب ہے، تو دوسری طرف ان کے لیے رحمت کا ایک بہانہ بھی ہے، ایسے لوگوں کو اپنی اپنی بداعمالیوں کے نتیجہ میں طویل عرصہ تک دوزخ میں رہنا ہوگا، لیکن بالآخران کا ٹھکانہ جنت بنے گا، گویا

کہ دوزخ میں ان کا ڈالا جانا ان کو پاک کرنے کے لیے اور دخول جنت کا مستحق بنانے کے لیے ہوگا، چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے "حتی اذا هذبوا ونقوا أذن لهم في دخول الجنة" (۱)

(یہاں تک جب گناہ گاروں کو پاک صاف کر دیا جائے گا اور ستھرا کر دیا جائے گا تو ان کو دخول جنت کی اجازت مل جائے گی)

حدیث میں آتا ہے کہ ایک طویل عرصہ اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے بعد اور پوری طرح صاف ستھرا ہو جانے کے بعد ان لوگوں کو جہنم سے نکالا جائے گا جن کے دل میں اللہ کی وحدانیت ہوگی، یہاں تک کہ آنحضور ﷺ اسی کی سفارش فرمائیں گے، جس کے دل میں توحید کی دولت ہوگی، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ "میری سفارش سے سرفراز ہونے کی خوش قسمتی اس کو حاصل ہوگی جس نے خلوص دل سے اللہ کا اقرار کیا ہو" (۲)

---

(۱) البخاري، كتاب الرقاق، باب القصاص يوم القيامة، رقم الحديث: ٦٥٣٥

(۲) البخاري: باب صفة الجنة والنار، رقم الحديث: ٦٥٧٠

تقدیر پر ایمان

جن چیزوں کا ماننا ایمان کے لیے ضروری ہے، ان میں تقدیر بھی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "وأن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر" (۱)

(تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرشتوں، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر اچھی ہو یا بری)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز ایک متعین مقدار کے ساتھ طے فرمادی ہے اور پورا نظام کائنات اسی طے شدہ نظام کے ماتحت اسی ترتیب کے ساتھ چل رہا ہے، اسی طے شدہ نظام کے لیے تقدیر کا لفظ استعمال ہوا ہے، ارشاد ہوتا ہے

(۱) مسلم: ۱۰۲

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر: ۴۹) (ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کر ہی پیدا کیا ہے)

اسی بات کو دوسری جگہ یوں فرمایا﴿قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (الطلاق: ۳) (اللہ نے ہر چیز کا ایک نظام مقرر فرما رکھا ہے)

اللہ کے بڑے مظاہر قدرت کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ☆ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ☆ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ (یسین: ۳۸-۴۰)

(اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف رواں دواں ہے یہ اس زبردست خوب جاننے والے کا مقرر کیا ہوا ہے، اور چاند کی منزلیں بھی ہم نے طے کر رکھی ہیں یہاں تک کہ پھر وہ ویسے ہی ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی، نہ سورج کو روا ہے کہ وہ چاند کو جالے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب کے سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں)

زمین کے متعلق ارشاد ہوا:﴿وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا﴾ (حم السجدہ: ۱۰) (اور اس نے اس میں زندگی کے سب سامان مقرر کیے)

موت وحیات کے تعین کے بارے میں فرمایا:﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا

﴿بَیْنَکُمُ الْمَوْتَ﴾ (الواقعہ: ٦٠) (ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر رکھی ہے)

اس کی مزید وضاحت یوں فرمادی ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (الأعراف: ٣٤)

(بس جب ان کا وہ وقت آپہنچتا ہے تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ آگے ہو سکتے ہیں اور نہ پیچھے)

اس کے علاوہ متعدد آیات ہیں جن میں پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات فرمادی کہ کائنات کا کل نظام اس نے طے فرمادیا ہے وہ اس کے طے کردہ راستوں پر چل رہا ہے، قضاء اس طے کردہ نظام کی تنفیذ کو کہتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے ﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ﴾ (حم السجدہ: ١٢) (تو اس نے دو دن میں وہ (یعنی) سات آسمان مقرر کیے)

اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ اب تک ہوا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے، اور ہوگا، خالق کائنات نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام جزئیات وکلیات طے کر کے ہر چیز کے بارے میں فیصلہ کر دیا تھا، اب اسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اس کے سب واقعات وحوادث وجود میں آرہے ہیں، موت وحیات، فقر وغناء، کامیابی وناکامی، تکلیف

وراحت ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے، اور اسی کے مطابق ظہور میں آتی جارہی ہے، تقدیر اچھی ہو یا بری کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کے طے کردہ نظام میں جو پہلو ظاہری طور پر انسان کے لیے اچھا ہے وہ اس کے لیے خیر ہے، اور جو پہلو اس کے لیے تکلیف دہ ہے وہ اس کے لیے شر ہے، ورنہ حقیقت میں اللہ نے جو بھی طے فرمایا وہ خیر ہی خیر ہے، اس میں شر کا کوئی تصور ہی نہیں، اور جو حدیث نقل کی گئی اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ تقدیر پر ایمان لاؤ، "خیرہ وشرہ" اس کا وہ پہلو جو خیر ہے اس پر بھی اور اس کا وہ پہلو جس کا ظاہری پہلو انسان کے لیے تکلیف دہ ہے اس پر بھی۔

تقدیر کا یہ عقیدہ انسان کے اندر ایک قوت عمل پیدا کرتا ہے، پست ہمتی اور مایوسی سے اس کو نکال کر عزم وحوصلہ عطا کرتا ہے، اور دوسری طرف فخر وغرور سے بھی بچاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (الحدید:۲۲-۲۳)

(تاکہ جو چیز تم سے چھوٹ جائے اس پر غم نہ کرو اور جو وہ تمہیں دیدے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی بھی اکڑنے والے شیخی باز کو پسند نہیں فرماتا)

ایک ایمان والے کا دل جب اس یقین سے بھر جاتا ہے، کہ جو ہوتا ہے سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے تو اس کو کسی چیز کے فوت ہوجانے،

کسی نقصان اٹھانے، یا کسی ناکامی سے مایوسی نہیں ہوتی اور وہ یوں گویا ہوتا ہے﴿قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (التوبة:٥١)

(آپ کہہ دیجیے کہ ہم کو وہی (تکلیف) پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے، وہی ہمارا مالک ہے اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں)

وہ کسی لمحہ مایوس نہیں ہوتا، بلکہ ہر قدم نئے حوصلہ کے ساتھ اٹھاتا ہے، اور ہر قدم کو وہ کامیابی کا قدم سمجھتا ہے، اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، اس کا یقین اس پر ہوتا ہے، کہ "خیر" کا ہر قدم اس کو ایک نئی کامیابی کے لیے تیار کر رہا ہے، اس کا یقین اللہ کے اس ارشاد پر ہوتا ہے﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ☆ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ☆ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ☆ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ☆ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ☆ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى﴾ (الليل:٥-١٠) (اور جہاں تک اس کا تعلق ہے جس نے (اللہ کے راستہ میں کچھ) دیا اور پرہیز گاری اختیار کی، اور بھلی بات کو سچ مانا، تو ہم آہستہ آہستہ اس کو آسانی کی طرف لے چلیں گے، اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ رہا، اور اس نے بھلی بات نہ مانی، تو ہم اس کو آہستہ آہستہ سختی کی طرف لے چلیں گے)

اس کے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان ہوتا ہے ”کل میسر لما خلق له“(۱) (ہر ایک کے لیے وہی چیز آسان کردی جاتی ہے، جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے)

اسی کے ساتھ اس کو اپنی کامیابی پر غرہ نہیں ہوتا، وہ یقین رکھتا ہے کہ جو کامیابی ملی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور اس کا انعام ہے، ہر فتح و کامرانی پر اس کا سر اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے، وہ اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ اس کو صرف اللہ کا دیا ہوا تحفہ سمجھتا ہے۔

حاصل یہ کہ تقدیر پر یقین ایمان والے کے اندر اعتدال اور قوت عمل پیدا کرتا ہے، نہ کہ مایوسی اور دل شکنی۔

(۱) بخاری کتاب التفسیر: ۵٤
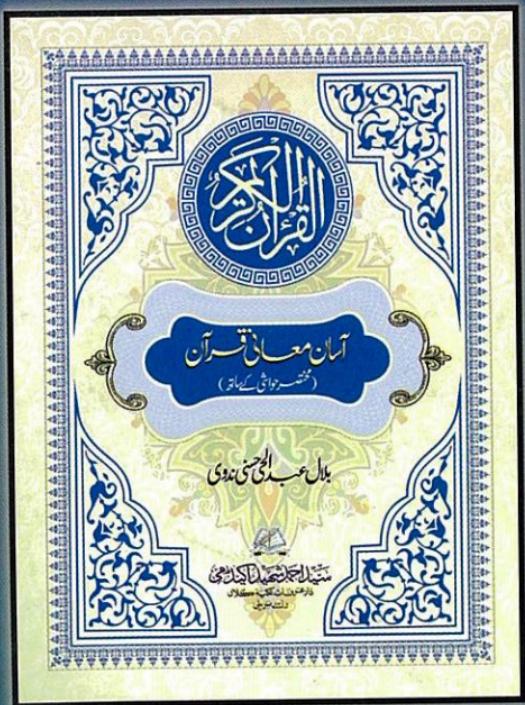
Sayyid Ahmad Shaheed Academy
Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001
website: www.abulhasanalinadwi.org Mob.: 9919331295
Designed at Dare Arafat (Mohammad Makky)